اصلاحی خطبات

- مشورہ کرنے کی اہمیت
- شادی کرو، لیکن اللہ سے ڈرو
- طنز اور طعنہ سے بچئے
- عمل کے بعد مدد آئے گی۔
- دوسروں کی چیزوں کا استعمال
- خاندانی اختلافات کے اسباب اور ان کا حل

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

اِصلاحی خُطبات

۱۱

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

خطبات ⬅ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم
ضبط و ترتیب ⬅ محمد عبداللہ میمن صاحب
مقام ⬅ جامع مسجد بیت المکرم و جامع مسجد دارالعلوم کراچی
اشاعت اوّل ⬅ جولائی ۲۰۰۱ء
تعداد ⬅ دو ہزار
ناشر ⬅ میمن اسلامک پبلشرز، فون: - ۴۹۱۶۰۳۳
باہتمام ⬅ ولی اللہ میمن
قیمت ⬅ =/ روپے

ملنے کے پتے

◆ میمن اسلامک پبلشرز، ۱۸۸/۱- لیاقت آباد، کراچی ۱۹
◆ دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی
◆ ادارہ اسلامیات، ۱۹۰- انار کلی، لاہور ۲
◆ مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۴
◆ ادارۃ المعارف، دارالعلوم کراچی ۱۴
◆ کتب خانہ مظہری، گلشن اقبال، کراچی
◆ مولانا اقبال نعمانی صاحب، آفیسر کالونی گارڈن، کراچی

پراچہ کمپوزر

پیش لفظ

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مد ظلہم العالی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی۔ امابعد!

اپنے بعض بزرگوں کے ارشاد کی تعمیل میں احقر کئی سال سے جمعہ کے روز عصر کے بعد جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی میں اپنے اور سننے والوں کے فائدے کے لئے کچھ دین کی باتیں کیا کرتا ہے۔ اس مجلس میں ہر طبقہ خیال کے حضرات اور خواتین شریک ہوتے ہیں، الحمدللہ! احقر کو ذاتی طور پر بھی اس کا فائدہ ہوتا ہے اور بفضلہ تعالیٰ سامعین بھی فائدہ محسوس کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو ہم سب کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں۔ آمین۔

احقر کے معاون خصوصی مولانا عبداللہ میمن صاحب سلمہ نے کچھ عرصے سے احقر کے ان بیانات کو ٹیپ ریکارڈ کے ذریعے محفوظ کر کے ان کے کیسٹ تیار کرنے اور ان کی نشرواشاعت کا اہتمام کیا جس کے بارے دوستوں سے معلوم ہوا کہ بفضلہ تعالیٰ ان سے بھی مسلمانوں کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔

ان کیسٹوں کی تعداد اب چارسو کے قریب ہوگئی ہے انہیں میں سے کچھ کیسٹوں کی تقاریر مولانا عبداللہ میمن صاحب سلمہ نے قلمبند بھی فرمالیں اور ان کو چھوٹے چھوٹے کتابچوں کی شکل میں شائع کیا۔ اب وہ ان تقاریر کا مجموعہ "اصلاحی خطبات" کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔

ان میں سے بعض تقاریر پر احقر نے نظر ثانی بھی کی ہے، اور موصوف نے ان پر

ایک مفید کام بھی کیا ہے کہ تقاریر میں جو احادیث آتی ہیں ان کی تخریج کر کے ان کے حوالے بھی درج کر دیئے ہیں اور اس طرح ان کی افادیت بڑھ گئی ہے۔

اس کتاب کے مطالعے کے وقت یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ یہ کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں ہے بلکہ تقریروں کی تلخیص ہے جو کیسٹوں کی مدد سے تیار کی گئی ہے، لہٰذا اس کا اسلوب تحریری نہیں بلکہ خطابی ہے۔ اگر کسی مسلمان کو ان باتوں سے فائدہ پہنچے تو یہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے، اور اگر کوئی بات غیر محتاط یا غیر مفید ہے تو وہ یقیناً احقر کی کسی غلطی یا کوتاہی کی وجہ سے ہے، لیکن الحمدللہ! ان بیانات کا مقصد تقریر برائے تقریر نہیں، بلکہ سب سے پہلے اپنے آپ کو اور پھر سامعین کو اپنی اصلاح کی طرف متوجہ کرنا ہے۔

نہ بہ حرف ساختہ سرخوشم نہ بہ نقش بستہ مشوشم
نفسے بیاد توی زنم، چہ عبارت وچہ معانیم

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان خطبات کو خود احقر کی اور تمام قارئین کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں، اور یہ ہم سب کے لئے ذخیرہ آخرت ثابت ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے مزید دعا ہے کہ وہ ان خطبات کے مرتب اور ناشر کو بھی اس خدمت کا بہترین صلہ عطا فرمائیں۔ آمین

محمد تقی عثمانی

۱۲، ربیع الاوّل ۱۴۱۴ھ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عرضِ ناشر

الحمدللہ "اصلاحی خطبات" کی گیارہویں جلد آپ تک پہنچانے کی ہم سعادت حاصل کر رہے ہیں، دسویں جلد کی مقبولیت اور افادیت کے بعد مختلف حضرات کی طرف سے گیارہویں جلد کو جلد از جلد شائع کرنے کا شدید تقاضہ ہوا، اور اب الحمدللہ، دن رات کی محنت اور کوشش کے نتیجے میں صرف چھ ماہ کے اندر یہ جلد تیار ہو کر سامنے آگئی۔ اس جلد کی تیاری میں برادر مکرم جناب مولانا عبداللہ میمن صاحب نے اپنی مصروفیات کے ساتھ ساتھ اس کام کے لئے اپنا قیمتی وقت نکالا، اور دن رات کی انتھک محنت اور کوشش کر کے گیارہویں جلد کے لئے مواد تیار کیا، اللہ تعالیٰ ان کی صحت اور عمر میں برکت عطا فرمائے، اور مزید آگے کام جاری رکھنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

ہم جامعہ دارالعلوم کراچی کے استاد حدیث جناب مولانا محمود اشرف عثمانی صاحب مدظلہم اور مولانا عزیز الرحمٰن صاحب مدظلہم کے بھی شکر گزار ہیں جنہوں نے اپنا قیمتی وقت نکال کر اس پر نظر ثانی فرمائی، اور مفید مشورے دیئے، اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں ان حضرات کو اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین

تمام قارئین سے دعاء کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو مزید آگے جاری رکھنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے، اور اس کے لئے وسائل اور اسباب میں آسانی پیدا فرمائے۔ اس کام کو اخلاص کے ساتھ جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ولی اللہ میمن

اجمالی فہرست خطبات

خُطبَات	صفحہ

فہرست مضامین

مشورہ کرنے کی اہمیت

عنوان	صفحہ
فحش گوئی کرنا	۱۱۴
بدگوئی کرنا	〃
یہودیوں کی مکاری	〃
نرمی زینت بخشتی ہے	۱۱۶
حضور ﷺ کی اخلاق میں بھی اتباع کریں	۱۱۷
لعنت کا وبال	〃
عمل کے بعد مدد آئیگی	۱۱۹
نیکی اور بدی کی جزا	۱۲۲
ہر نیکی کا ثواب دس گنا	۱۲۳
رمضان اور شوال کے چھے روزوں کا ثواب	〃
برائی کا بدلہ ایک گنا	۱۲۴
کراماکاتبین میں ایک امیر دوسرا مامور	۱۲۵
اللہ تعالیٰ عذاب دینا نہیں چاہتے	۱۲۶
بندوں کو معاف کرنے کا قاعدہ	〃
گناہوں سے توبہ واستغفار کریں	۱۲۸
اللہ تعالیٰ کی رحمت	〃
قرب خداوندی کی مثال	۱۲۹

عنوان	صفحہ

مشورہ کرنے کی اہمیت

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقامِ خطاب ــــ جامع مسجد بیت المکرم گلشنِ اقبال کراچی

وقت خطاب ــــ بعد نماز عصر تا مغرب

تعداد صفحات ــــ ۲۲

جلد نمبر ــــ ۱۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مشورہ کرنے کی اہمیت

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادی له، ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له ونشهد ان سيدنا ونبينا ومولانا محمدًا عبده ورسوله صلى الله تعالىٰ عليه وعلى آله واصحابه وبارك وسلم تسليمًا كثيرًا اما بعد:

فأعوذ بالله من الشيطٰن الرجيم بسم الله الرحمٰن الرحيم

﴿فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ﴾

(آل عمران: ۱۵۹)

آمنت بالله صدق الله مولانا العظيم وصدق رسوله النبي الكريم ونحن على ذالك من الشاهدين والشاكرين والحمد لله رب العلمين

تمہید

بزرگان محترم و برادران عزیز! ہر انسان کو اپنی زندگی میں ایسے مرحلے پیش آتے ہیں جن میں اس کو یہ شکش ہوتی ہے کہ یہ کام کروں یا نہ کروں؟ یا اس کے سامنے کئی راستے ہوتے ہیں، اب اس کو یہ شکش ہوتی ہے کہ کونسا راستہ اختیار کروں؟ حضور اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے مواقع کے لئے دو کاموں کی ہدایت دی ہے: ایک استخارہ کرنا، دوسرے مشورہ کرنا۔ استخارہ کا بیان پچھلے جمعہ کو بقدر ضرورت الحمد للہ ہو گیا تھا (یہ بیان اصلاحی خطبات کی جلد دس میں شائع ہو چکا ہے) دوسری چیز جس کا اس حدیث میں بیان ہے۔ وہ ہے "مشورہ" یہ مشورہ بھی دین کا ایک عظیم باب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی خصوصیت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ" (الشوریٰ: ۳۸)

یعنی ان کے معاملات آپس میں مشورے کے ذریعہ طے کئے جاتے ہیں۔ جو آیت میں نے تلاوت کی ہے اس میں خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیتے ہوئے فرمایا:

"وَشَاوِرْهُم فِي الاَمْرِ" (آل عمران: ۱۵۹)

یعنی آپ صحابہ کرام سے اپنے معاملات میں مشورہ لیا کریں۔ لہٰذا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے، تو ہم جیسے لوگ تو بطریق اولیٰ مشورہ کے محتاج ہیں۔

مشورہ کیسے شخص سے کیا جائے؟

لیکن اس مشورے کے سلسلے میں چند باتیں سمجھ لینی ضروری ہیں

(۱) پہلی بات یہ ہے کہ مشورہ ہمیشہ ایسے شخص سے کرنا چاہئے جس کو اس

متعلقہ معاملے میں پوری بصیرت حاصل ہو، جب ایسے شخص کے پاس جاکر مشورہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ اس میں برکت عطا فرمائیں گے، لیکن اگر ہم نے ایسے شخص سے مشورہ کیا جس کو اس معاملے میں کوئی علم اور کوئی بصیرت حاصل نہیں ہے، اولاً تو وہ شخص مشورہ ہی کیا دے گا، اور اگر مشورہ دے گا تو اس مشورے سے فائدہ کیا ہوگا۔ لہٰذا جس شخص سے ہم مشورہ لینے جا رہے ہیں، اس کے بارے میں پہلے اچھی طرح معلوم کرلیں کہ وہ مشورہ کا اہل بھی ہے یا نہیں؟ اگر وہ اہل ہو تو اس سے مشورہ لیں، اگر اہل نہ ہو تو اس سے مشورہ لینے سے کچھ حاصل نہیں۔

"جمہوریت" کی ناکامی کی وجہ

اسلام کے نظامِ حکومت کی "شورائیت" میں اور موجودہ دور کی "جمہوریت" میں یہی بڑا فرق ہے۔ جمہوریت کا جو نظام اس وقت پوری دنیا میں چھا گیا ہے، اس نظام جمہوریت میں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ جس سے مشورہ لیا جا رہا ہے وہ واقعۃً مشورہ دینے کا اہل بھی ہے یا نہیں؟ اس کو اس معاملے میں بصیرت بھی حاصل ہے یا نہیں؟ دنیا بھر کے اہم معاملات میں مشورہ کرنے کے لئے بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ایک جماعت کا انتخاب کرلیا، اس انتخاب کے نتیجے میں ایک سے ایک دنیا پرست، مکار، عیار شخص ووٹ حاصل کرنے کے لئے کھڑا ہو گیا، اور پھر بالغ رائے دہی کی بنیاد پر انتخابات شروع ہوئے، اب ہر ایک سے یہ پوچھا جا رہا ہے کہ تمہارے نزدیک یہ آدمی ٹھیک ہے یا نہیں؟ پھر انتخابات بھی سیاسی جماعتوں کی بنیادوں پر ہونے والے جس میں پارٹی کے منشوروں کی بنیاد پر ووٹ دیے جاتے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص دیہات کا رہنے والا کاشت کار ہے اور کسان ہے، جو بیچارہ غیر تعلیم یافتہ ہے، وہ ووٹ دینے سے پہلے تمام پارٹیوں کے منشوروں کا مطالعہ کرے، اور پھر یہ فیصلہ کرے کہ کونسی پارٹی ملک کے حق میں مفید ہے، اور پھر اس پارٹی کے نامزد شخص کو ووٹ دے۔ پھر عام

طور پر شریف آدمی جس میں ان کاموں کو انجام دینے کی اہلیت ہو، اس کو تو اس میدان میں اترتے ہوئے بھی گھن آتی ہے کہ گندے تالاب میں کہاں اتروں!۔

نااہلوں کا انتخاب

بہر حال، انتخابات کے نتیجے میں جو لوگ اسمبلی میں پہنچے وہ نااہل ہونے کے باوجود پوری قوم کے معاملات میں مشورے دیتے ہیں اور پوری قوم ان کے مشوروں پر عمل کرنے کی پابند ہے۔ لہٰذا موجودہ جمہوریت کے نظام میں اہلیت کا کوئی معیار نہیں، نہ ووٹ دینے والے میں اہلیت کا کوئی معیار ہے اور نہ منتخب ہونے والے میں اہلیت کا کوئی معیار ہے، بس اتنا معیار ہے کہ اس کی عمر ۱۸ سال یا ۲۱ سال ہو اور اس کا نام ووٹر لسٹ کے اندر درج ہو، بس یہ اہلیت ہے۔ اب یہ دیکھنا کہ وہ تعلیم یافتہ ہے یا نہیں؟ قوم کے معاملات کو سمجھنے کی بصیرت رکھتا ہے یا نہیں؟ اس کا کوئی معیار نہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ انگوٹھا چھاپ لوگ منتخب ہو کر اسمبلی میں پہنچ جاتے ہیں۔

''جمہوریت'' اور ''شورائیت'' کا فرق

اسلام میں ''شورائیت'' ضرور ہے، لیکن مجلس شوریٰ کے لئے معیار اہلیت ہے، یعنی ایسے شخص سے مشورہ کرو جو اس کام کی اہلیت رکھتا ہے اور اس کی بصیرت رکھتا ہے۔ اسلام کی ''شورائیت'' اور موجودہ مغربی جمہوریت میں یہی بڑا فرق ہے، جمہوریت میں اکثریت کی بنیاد پر فیصلے ہوتے ہیں، جب کہ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

﴿وان تطع اکثر من فی الارض یضلوک عن سبیل اللہ﴾

(الانعام ۱۱۶)

اگر آپ زمین کے رہنے والوں میں سے اکثر کی اتباع کرو گے تو وہ اللہ کے

راستے سے تم کو گمراہ کردیں گے۔ لہٰذا جب کسی کے پاس مشورہ کے لئے جاؤ تو پہلے یہ دیکھو کہ اس شخص کو اس معاملے میں بصیرت حاصل ہے یا نہیں؟

فن کے ماہر سے مشورہ کرو

مثلاً بعض لوگ مجھ سے مشورہ کرتے ہیں کہ فلاں بیماری میں مبتلا ہوں، آپ مشورہ دیجئے کہ کس طرح اس کا علاج کراؤں اور کس سے کراؤں؟ اب میں بیماری کو اور اس کے علاج کو کیا جانوں، بھائی! کسی طبیب اور ڈاکٹر کے پاس جاؤ، اگر اس بارے میں مجھ سے مشورہ کرو گے تو اس سے کیا حاصل ہوگا! جو شخص وہ کام جانتا نہ ہو تو وہ اس کے بارے میں کیا مشورہ دے گا۔ یاد رکھو! مشورہ ہمیشہ اس شخص سے لو جو اس کام کا اہل ہو۔ میرے پاس روزانہ بیشمار لوگوں کے خط اور فون آتے ہیں کہ ہم نے یہ خواب دیکھا ہے، آپ اس کی تعبیر بتادیجئے، حالانکہ مجھے ساری عمر خواب کی تعبیر سے مناسبت نہیں ہوئی۔

لوگ میرے پاس آتے ہیں کہ فلاں کام کے لئے تعویذ دیدیجئے اور مجھے تعویذ بنانا نہیں آتا۔ بھائی! جس آدمی کے پاس اس کام کی اہلیت نہ ہو، اس کے پاس اس کام کے لئے کیوں جاتے ہو؟۔ ہر شخص سے وہ کام لو جس کام کی اہلیت اللہ تعالیٰ نے اس کو دی ہے۔

دین کے معاملات میں علماء سے مشورہ کریں

بہر حال، مشورہ کے لئے سب سے پہلا کام صحیح آدمی کی تلاش ہے، بعض اوقات دین کے معاملات میں لوگ ایسے لوگوں کے پاس مشورے کے لئے چلے جاتے ہیں جن کو دین کا علم نہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جس سے مشورہ لیا گیا اس نے غلط جواب دیدیا اور سوال کرنے والے نے اس پر عمل شروع کردیا، خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ مشورہ میں سب سے پہلا کام یہ ہے

کہ جس سے مشورہ لیا جارہا ہے اس کے بارے میں **معلومات حاصل کرو**، اب بہت سے لوگ میرے پاس تجارت کے بارے میں **مشورہ کرنے کے لئے آجاتے ہیں** کہ یہ تجارت کریں یا فلاں تجارت کریں۔ اب **مجھے کیا معلوم کہ تجارت کیا ہوتی** ہے اور کس کے لئے کون سی تجارت مفید ہے۔

مشورہ کے لئے اہلیت کی ضرورت

لہٰذا مشورہ کرنے سے پہلے اس کے اندر اہلیت دیکھو کہ یہ **شخص** اس بارے میں **مشورہ** دینے کا اہل ہے یا نہیں؟ اگر **انجینئرنگ کا کوئی کام ہو اور وہ مشورہ کرنے** کے لئے ڈاکٹر کے پاس چلا جائے، اور جب **گھر میں کوئی بیمار ہو جائے تو اس کے** بارے میں **مشورہ** کرنے کے لئے **انجینئر کے پاس چلا جائے، اب بتائیے وہ شخص** احمق ہو گیا نہیں؟ اسی طرح جب دین کے **معاملات میں کسی سے مشورہ لینے کے** لئے جاؤ تو پہلے یہ دیکھو کہ جس سے مشورہ لے رہا ہوں وہ **مستند عالم دین ہے یا** نہیں؟۔ آج ہمارا پورا معاشرہ اس گمراہی کے اندر **مبتلا ہے کہ دین کے معاملات** کے بارے میں معلومات حاصل کرنے اور مشورے کے لئے **ایسے لوگوں کے** پاس چلے جاتے ہیں جن کے پاس دین کا کماحقہٗ علم نہیں ہوتا، **مثلاً** کسی کے بارے میں یہ سُن لیا کہ وہ بڑی لچھے دار تقریر کرتے ہیں، یا کسی کو دیکھ لیا کہ ان کا حلیہ بڑا بزرگانہ اور دیندارانہ ہے، بس ان سے دین کے بارے میں مشورے شروع کر دیے اور ان سے فتوے پوچھنے شروع کر دیے۔ یاد رکھئے! مشورے کے لئے غلط آدمی کا انتخاب انسان کو غلط راستے پر ڈال دیتا ہے۔

کن معاملات میں مشورہ کیا جائے؟

مشورے کے بارے میں دوسری بات **سمجھنے** کی یہ ہے کہ **مشورہ کس چیز کے** بارے میں کیا جائے؟ جو کام شریعت نے **فرض قرار دیدیے ہیں یا** جو کام واجب

قرار دیدیے ہیں یا حرام کر دیے ہیں تو ایسے تمام کام مشورے کا محل نہیں ہیں، لہٰذا ان کے بارے میں مشورہ نہیں کیا جائے گا، اس لئے کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے فرض و واجب قرار دے کر کرنے کا حکم دیدیا، وہ تو کرنے ہی ہیں، اور جن کاموں کو حرام قرار دے کر ان سے روک دیا، ان سے تو ضرور رکنا ہی ہے، ان میں مشورے کا کیا سوال؟ مثلاً کوئی شخص یہ مشورہ کرے کہ نماز پڑھوں یا نہ پڑھوں، یا یہ مشورہ کرلے کہ شراب پیوں یا نہ پیوں؟ ظاہر ہے کہ ان کے بارے میں مشورہ کرنا حماقت ہے، کیونکہ یہ کام مشورے کے محل ہی نہیں ہیں۔

"مشیر" کا پہلا فرض: اہلیت ہونا

تیسری بات یہ ہے کہ جس شخص سے مشورہ لیا جارہا ہے اس کے کچھ فرائض ہیں، حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"المستشار مؤتمن"

(ترمذی، کتاب الادب، باب ان المستشار مؤتمن)

جس شخص سے مشورہ لیا جائے وہ امانت دار ہوتا ہے۔ یہ مشورہ لینا ایسا ہے جیسے دوسرے کے پاس امانت رکھوادی، ظاہر ہے کہ اگر کسی کے پاس امانت رکھوائی جائے تو اس کا فرض ہے کہ وہ اس کی حفاظت کرے اور خیانت نہ کرے، لہٰذا جس شخص سے مشورہ لیا جارہا ہے اگر اس کو اس معاملے میں بصیرت حاصل نہیں ہے، تو اس کو صاف صاف کہہ دینا چاہئے کہ مجھے اس بارے میں بصیرت حاصل نہیں ہے، اس لئے میں اس سلسلے میں مشورہ دینے کا اہل نہیں ہوں۔ لیکن آج کل اگر کسی سے کسی معاملے میں مشورہ لیا جائے تو چاہے اس کو اس معاملے میں بصیرت ہو یا نہ ہو، لیکن کچھ نہ کچھ جواب اور مشورہ ضرور دیدیتے ہیں۔ سیدھی سی بات یہ ہے کہ وہ کہہ دے کہ مشورہ دینا امانت کی بات ہے، اور میں اس کا اہل نہیں، لہٰذا مشورہ لینے کیلئے ایسے آدمی کے پاس جاؤ جو مشورہ دینے کا اہل ہو۔

دوسرا فرض: امانت داری

اور اگر آپ کے اندر اہلیت ہے تو پھر مشورہ لینے والے کی پوری خیر خواہی مد نظر رکھتے ہوئے اس کے مناسب جو مشورہ ذہن میں آئے، دیانت داری کے ساتھ اس کے سامنے بیان کردے، اس مشورہ دینے میں اس بات کی پرواہ نہ کرے کہ اگر میں اس کو یہ مشورہ دوں گا تو شاید اس کا دل ٹوٹ جائے گا یا یہ مجھ سے ناراض اور رنجیدہ ہو جائے گا، کیونکہ جب اس نے مشورہ طلب کیا ہے تو اب اس کو وہ بات بتاؤ جو تمہارے نزدیک دیانتدارانہ طور پر اس کے حق میں خیر خواہی کی ہو، یہ نہ ہو کہ اس کو راضی اور خوش کرنے کے لئے اس کو غلط مشورہ دیدیا تاکہ وہ خوش ہو کر چلا جائے، چاہے وہ بعد میں گڑھے میں جاگرے اس کی پرواہ نہیں، یہ بات درست نہیں۔

مثلاً میرے پاس بعض لوگ کتاب لکھنے کے بارے میں مشورہ لینے کے لئے آتے ہیں، اب بظاہر اس کی دلداری کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کی حوصلہ افزائی کی جائے اور کتاب لکھنے پر اس کو مبارکباد دی جائے، لیکن جب یہ دیکھا کہ یہ شخص کتاب لکھنے کا اہل نہیں ہے تو اس کو نرمی سے اور پیار سے سمجھادیا کہ یہ کتاب لکھنا آپ کا کام نہیں، یہ آپ کا میدان نہیں ہے آپ کوئی اور کام کریں۔ لہٰذا اس کے مناسب مشورہ یہی تھا، اب چاہے اس مشورے سے ناراض ہو یا خوش ہو۔

مشورہ دینے میں ضرورتاً غیبت جائز ہے

یا مثلاً کسی شخص نے رشتہ مانگنے کا مشورہ لیا کہ فلاں جگہ رشتہ کروں یا نہ کروں۔ اس وقت آپ کے نزدیک اس کے حق میں جو خیر خواہی کی بات ہو وہ بتادو، چاہے وہ راضی ہو چاہے ناراض ہو۔ اس کے بارے میں جتنی معلومات حاصل ہیں وہ بتادو۔ یہ وہ چیز ہے کہ اس میں شریعت نے "غیبت" کو بھی معاف

کیا ہے، مثلاً رشتہ کے معاملے میں کوئی شخص آپ سے مشورہ کر رہا ہے اور آپ کے علم میں اس کی کوئی بات خرابی اور عیب کی ہے اور آپ نے اس مشورہ لینے والے کو بتادیا کہ اس کے اندر یہ خرابی ہے تو اس سے غیبت کا گناہ نہیں ہوگا، کیونکہ جو مشورہ لے رہا ہے اس کی خیر خواہی کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کو صحیح بات بتادی جائے، یہ نہ سوچے کہ اگر میں اس کو بتادوں گا تو فلاں شخص ناراض ہو جائے گا، اس سے دشمنی کھڑی ہو جائے گی، اور اس وجہ سے خاموش رہے، یہ بات ٹھیک نہیں۔

بلکہ اس کو بتادے اور اس سے یہ بھی کہہ دے کہ میں آپ کی خیر خواہی کے تحت آپ کو بتارہا ہوں، لیکن اگر اس کو علم ہو گیا کہ یہ بات میں نے بتائی ہے تو اس کو صدمہ ہوگا، لہٰذا آپ اس کو نہ بتائیں۔ حدیث کے الفاظ "المستشار مؤتمن" کے یہ معنی ہیں یعنی جس سے مشورہ لیا گیا ہے، وہ امانت دار ہے، اور امانت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ صحیح مشورہ دے۔

"مشیر" کا تیسرا فرض: راز داری

اور "المستشار مؤتمن" کا ایک مطلب اور بھی ہے، وہ یہ کہ جو شخص تمہارے پاس مشورہ لینے کے لئے آیا ہے اس نے تمہیں اپنا ہمراز بنایا ہے، اپنے دل کی بات اس نے تم سے کہہ دی ہے، اپنی مشکل تمہارے سامنے رکھدی ہے۔ اب یہ تمہارے اور اس کے درمیان راز داری کا معاملہ ہو گیا، تم اس کے امانت دار ہو، یہ نہ ہو کہ وہ تو آپ سے مشورہ لینے آیا اور اس نے اپنی کوئی الجھن آپ کے سامنے پیش کی، اب آپ نے ساری دنیا میں اس کو لوگوں کے سامنے گانا شروع کردیا کہ فلاں شخص تو یہ بات کہہ رہا تھا اس کے اندر تو یہ خرابی ہے۔ بھائی! جب اس نے تم سے مشورہ لیا ہے اور تمہیں اپنا ہمراز بنایا ہے تو اس کے راز کو راز رکھنا تمہارا فرض ہے، وہ تمہارے پاس امانت ہے، اب اس مشورے کی بات

کو دوسروں سے ذکر کرنا راز کا افشاء کرنا ہے، جو گناہ ہے اور ایک مسلمان کو رُسوا کرنا ہے۔

مثلاً کوئی شخص اپنی کسی بیماری کے سلسلے میں آپ سے مشورہ کرنے آیا، آپ نے اس کو مشورہ دیدیا، تو اب اس بات کو اپنے سینے میں محفوظ رکھو، اپنے اور اس کے درمیان محدود رکھو، کسی اور سے اس کا ذکر نہ کرو، کیونکہ وہ مشورہ تمہارے پاس اس کی امانت ہے، اس امانت کے اندر اگر تم خیانت کرو گے تو بہت بڑی خیانت ہو گی اور بہت بڑا گناہ ہو گا۔

راز فاش کرنا گناہ ہے

آج کل ہمارے معاشرے میں اس بارے میں کتنی خرابی پائی جاتی ہے اور مشورہ لینے دینے میں ان باتوں کا لحاظ نہیں رکھا جاتا، بیچارہ ایک شخص آپ کو خیر خواہ سمجھ کر آپ سے مشورہ لینے کے لئے آیا تھا، تم نے اس کا راز افشاء کرنا شروع کر دیا، حالانکہ اسی کے نتیجے میں جھگڑے، فسادات اور دشمنیاں پھیلتی ہیں، اور پھر آپس میں ناچاقیاں ہو جاتی ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے "المستشار مؤتمن" کہہ کر ان تمام چیزوں کا دروازہ بند کر دیا۔

چوتھا فرض: صحیح مشورہ دینا

پھر جانتے بوجھتے غلط مشورہ دینا یعنی آپ جانتے ہیں کہ جو مشورہ میں دے رہا ہوں وہ صحیح نہیں، لیکن اس کی بد خواہی کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے آپ نے اس کو غلط مشورہ دیدیا تو اس کے بارے میں حدیث شریف میں فرمایا کہ جس شخص سے دوسرے بھائی نے مشورہ کیا اور اس نے اس کو غلط مشورہ دیدیا تو فرمایا "فقد خانہ" یعنی اس نے اس کی امانت میں خیانت کی، یہ بالکل ایسا ہے جیسے کوئی شخص تمہارے پاس امانت کے طور پر پیسے رکھوائے اور تم ہڑپ کر جاؤ، جیسے ان پیسوں کو

ہڑپ کرنا حرام ہے اسی طرح یہ بھی حرام ہے۔

''مشیر'' کا عمر میں بڑا ہونا ضروری نہیں

مشورے کے بارے میں ایک اہم بات یہ ہے کہ مشورے کے اندر اہلیت تو دیکھنی چاہئے، لیکن اس میں چھوٹے بڑے کا لحاظ نہیں ہے یعنی مشورہ کرنے والا یہ نہ سوچے کہ میں بڑا ہوں، چھوٹے سے کیا مشورہ کروں، بلکہ جو بھی اہلیت رکھنے والا ہو اس سے مشورہ کرو۔ میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے وصیت کرتے ہوئے فرمایا کہ جب تک تمہارے ضابطے کے بڑے دنیا میں موجود ہوں اس وقت تک اپنے بڑوں سے مشورہ کرو، ضابطے کے بڑے اس لئے کہہ رہا ہوں کہ حقیقت میں کون بڑا ہے یہ تو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔

''بزرگی بعلم است نہ بسال''

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی عمر میں بڑا ہے لیکن درجے میں چھوٹا ہے، اور ایک شخص عمر میں کم ہے لیکن درجے میں بڑا ہے۔

بڑے آپ، عمر میری زیادہ

یاد آیا۔ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف فرما تھے، حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگرچہ رشتے میں آپ کے چچا تھے لیکن عمر میں زیادہ فرق نہیں تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا چچا جان! میں بڑا ہوں یا آپ بڑے ہیں؟ مقصد یہ تھا کہ کس کی عمر زیادہ ہے؟ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا خوبصورت جواب دیا: فرمایا کہ بڑے تو آپ ہی ہیں، عمر میری زیادہ ہے۔
بہر حال، عمر میں بڑا ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ انسان درجے میں بھی

بڑا ہو، چھوٹے کا علم زیادہ ہو سکتا ہے، چھوٹے کا تقویٰ زیادہ ہو سکتا ہے، اللہ تعالیٰ کے یہاں چھوٹے کی فضیلت زیادہ ہو سکتی ہے۔ اس لئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "ضابطے کے بڑے" اس لئے کہہ رہا ہوں کہ حقیقت میں کون بڑا ہے، یہ تو اللہ ہی جانتا ہے، لیکن ضابطے میں اللہ تعالیٰ نے جس کو بڑا بنایا ہے جیسے بیٹے کے لئے باپ، شاگرد کے لئے استاد، مرید کے لئے شیخ، چھوٹے بھائی کے لئے بڑا بھائی، یہ ضابطے کے بڑے ہیں جب تک یہ زندہ ہوں ان سے مشورہ کرو۔

ہم عمروں اور چھوٹوں سے مشورہ

پھر فرمایا:

جب ضابطے کے بڑے موجود نہ رہیں تو اپنے برابر کے لوگوں سے مشورہ کرو، اور جب اپنے برابر کے لوگ بھی موجود نہ رہیں تو اپنے چھوٹوں سے مشورہ کرو۔

اور یہ دیکھئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا جارہا ہے کہ "وَشَاوِرْهُمْ فِي الأَمْرِ" اب ظاہر ہے کہ آپ سے درجے میں کوئی دوسرا شخص بڑا ہو سکتا ہے؟ لیکن آپ سے کہا جارہا ہے کہ آپ صحابہ کرام سے مشورہ کریں۔ اس کے ذریعہ یہ تعلیم دی جارہی ہے کہ بڑے کو بھی اپنے آپ کو مشورے سے بے نیاز نہیں سمجھنا چاہئے، چاہے چھوٹوں سے مشورہ کرنا پڑے، لیکن پھر بھی مشورہ کرے۔ مشورے میں اللہ تعالیٰ نے برکت رکھی ہے۔ لہٰذا کہ مشورہ لیتے وقت یہ نہ دیکھو کہ جس سے میں مشورہ لے رہا ہوں یہ بڑا ہے یا چھوٹا ہے۔

صلح حدیبیہ کا واقعہ

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ وہ چھوٹا بھی ایسا مشورہ دیدیتا ہے کہ بڑے کے

ذہن میں وہ بات نہیں آتی۔ دیکھئے! صلح حدیبیہ کے موقع پر جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ عمرہ کرنے کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے، مقام ذوالحلیفہ سے احرام باندھا، اور جب مکہ مکرمہ کے قریب حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو مشرکین مکہ نے آپ کو اور صحابہ کرام کو روک دیا اور کہا کہ ہم آپ کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ اب صحابہ کرام عمرہ ادا کرنا چاہتے ہیں، اور احرام باندھ کر آئے ہوئے ہیں، جب کفار مکہ نے عمرہ کرنے سے روک دیا تو صحابہ کرام کو غصہ آگیا کہ یہ لوگ عمرہ کی عبادت ادا کرنے میں رکاوٹ بن رہے ہیں، بالآخر مذاکرات ہوئے اور مذاکرات کے نتیجے میں صلح ہو گئی، اور صلح اس بات پر ہوئی کہ اس مرتبہ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام واپس مدینہ منورہ چلے جائیں، اس مرتبہ عمرہ نہیں کریں گے اور آئندہ سال اس عمرے کی قضا کریں گے۔

اب بظاہر کفار قریش کا یہ مطالبہ بالکل غلط تھا، کیونکہ یہ حضرات حرم کے دروازے تک پہنچے ہوئے ہیں، پھر بھی ان سے یہ کہا جا رہا ہے کہ یہیں سے واپس چلے جائیں اور آئندہ سال عمرہ ادا کرنے کے لئے آئیں۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی شرائط تھیں جو بظاہر مسلمانوں کے لئے دبی ہوئی شرائط تھیں، لیکن چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہی حکم تھا کہ اس وقت ان کی یہ شرائط مان لی جائیں اگرچہ مسلمانوں کے لئے وہ دبی ہوئی شرائط ہیں۔ چنانچہ مسلمانوں نے مان لیں، اس مان لینے میں بھی بہت سی حکمتیں تھیں۔

چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام حالت احرام میں تھے، اس لئے یہاں سے شریعت کا یہ مسئلہ سامنے آیا کہ جب کوئی احرام باندھ کر آئے اور پھر اس کے لئے عمرہ کرنا ممکن نہ رہے اور کوئی دشمن روک دے تو اس وقت اس کو کیا کرنا چاہئے اور کس طرح احرام کھولنا چاہئے؟ اس وقت قرآن کریم کے

ذریعہ یہ حکم نازل ہوا کہ اگر یہ صورت پیش آئے تو ایک جانور قربان کرنے کے لئے حرم بھیج دو، جس وقت وہ جانور حرم میں ذبح ہو جائے اس وقت محرم اپنے سر کے بال منڈوا کر احرام کھول دے۔ چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ سب اپنے اپنے جانور حرم بھیج دیں اور جانور ذبح ہو جانے کے بعد احرام کھول دیں۔ صحابہ کرام نے جانور بھیج دیئے اور ان کی قربانی ہو گئی۔

پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ اپنے سر منڈوا دو اور احرام کھول دو، تاکہ پھر مدینہ منورہ واپس چلیں۔ لیکن صحابہ کرام میں سے کوئی بھی اس کام کے لئے آگے نہیں بڑھا۔ شاید پوری سیرت طیبہ کے دور میں یہ ایک واقعہ ایسا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو کسی کام کا حکم دیا اور صحابہ کرام اس کے لئے آگے نہیں بڑھے۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ صحابہ کرام کی طبیعت میں یہ جوشیلے جذبات تھے کہ اگر ہم چاہیں تو قریش مکہ کو مزہ چکھا دیں اور ان پر حملہ کر کے زبردستی عمرہ کر لیں۔ اس قسم کے جذبات کی وجہ سے آپ کا حکم ماننے کے لئے اور احرام کھولنے اور سر منڈوانے کے لئے کوئی بھی آگے نہیں بڑھ رہا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ صحابہ کرام کو حکم دیا کہ سر منڈوا کر احرام کھول دیں، لیکن پھر بھی کوئی اس کام کے لئے آگے نہیں بڑھا۔ یہ وہ صحابہ ہیں کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر کفار کی طرف سے بات چیت کرنے کے لئے جو ایلچی آیا تھا، اس نے واپس جا کر لوگوں کو بتایا کہ میں نے صحابہ کرام کا عجیب منظر دیکھا، وہ یہ کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرماتے ہیں تو وضو کا پانی ابھی زمین پر نہیں گرتا کہ اس سے پہلے ہی صحابہ کرام اس کو لے کر اپنے جسموں پر مل لیتے ہیں، اور آپ کا تھوک زمین پر نہیں گرتا، بلکہ صحابہ کرام آگے بڑھ کر اس کو اپنے جسم پر مل لیتے ہیں، ایسے فداکار صحابہ کرام ہیں۔ لیکن اس کے باوجود آپ ان سے احرام کھولنے کے لئے

فرما رہے ہیں لیکن احرام کھولنے کے لئے کوئی آگے نہیں بڑھ رہا ہے۔

حضرت اُمّ سلمہؓ سے آپ کا مشورہ کرنا

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خیمے کے اندر تشریف لے گئے، آپ کی زوجۂ مطہرہ اور ام المؤمنین حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس سفر میں آپ کے ساتھ تھیں، آپ نے جاکر ان سے فرمایا کہ آج میں نے عجیب معاملہ دیکھا جو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا، یہ وہ لوگ ہیں جو میرے ایک اشارے پر جان چھڑکنے کے لئے تیار ہیں، لیکن آج میں نے دو مرتبہ احرام کھولنے کیلئے کہا لیکن کوئی بھی احرام کھولنے کے لئے تیار نہیں ہوا۔ گویا کہ آپ نے اس بارے میں حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مشورہ کیا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے؟ حالانکہ وہ آپ سے چھوٹی ہیں، ان کو آپ سے کیا نسبت؟ لیکن چونکہ مشورہ کا حکم ہے اس لئے ان سے مشورہ کیا۔ بہر حال! حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مشورہ دیتے ہوئے فرمایا کہ یا رسول اللہ! یہ حضرات صحابہ جذبات اور جوش کے عالم میں مغلوب ہیں، اس لئے آپ ان کے اس طرز عمل کا خیال مت کیجئے، کیونکہ انکے دل ٹوٹے ہوئے ہیں، اور بار بار انکو کہنے کی ضرورت نہیں، البتہ آپ ایک کام کیجئے! وہ یہ کہ آپ باہر تشریف لیجائیں اور خود اپنا سر منڈواکر اپنا احرام کھول دیں، پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے۔

اس مشورے کا نتیجہ

آپ نے ان سے فرمایا کہ تم نے بہت اچھا مشورہ دیا۔ چنانچہ آپ خیمے سے باہر تشریف لے گئے، اور ایک صحابی کو بلا کر خود حلق کرانا شروع کر دیا، بس آپ کے حلق کرانے کی دیر تھی کہ صحابہ کرام نے ایک دوسرے کے سر حلق کرنے شروع کر دیے اور احرام کھولنا شروع کر دیا، اور یہ سوچا کہ جب نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم نے احرام کھول دیا تو ہم آپ سے زیادہ غیرت کرنے والے کون ہیں۔اب دیکھئے کہ یہ مشورہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دیا۔ چنانچہ انہی حضرت امّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ عاقلات میں سے تھیں، یعنی ان خواتین میں سے تھیں جن کو اللہ تعالیٰ نے عقل اور فہم و فراست کا اعلیٰ مقام عطا فرمایا تھا،اور یہ مشورہ انکے اعلیٰ فہم کی دلیل ہے، اور اس بات کی دلیل ہے کہ وہ صحابہ کرامؓ کی نفسیات کو سمجھتی تھی کہ جب یہ حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی کام کرتا ہوا دیکھیں گے تو پھر ان سے نہیں رہا جائیگا بلکہ فوراً آپ کی اتباع میں وہ کام کرنا شروع کردیں گے۔ بہر حال!حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سے چھوٹے سے مشورہ کیا۔ اور حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ذہن میں وہ بات آگئی جو ابتداً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن میں نہیں آئی۔ بہر حال!اس واقعے سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ چھوٹے سے مشورہ کرنا بھی شریعت کا تقاضہ ہے۔اور بعض اوقات اللہ تعالیٰ چھوٹے کے دل میں وہ بات ڈال دیتے ہیں جو بڑوں کے دل میں بھی نہیں آتی۔ نہ جانے کتنے مواقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا۔ لہٰذا چھوٹے سے مشورہ کرتے ہوئے عار اور شرم محسوس نہیں کرنی چاہئے۔

جذبات کی تسکین کا نام "دین" نہیں "دین" اتباع کا نام ہے

حدیبیہ کے اس واقعہ سے ایک دوسرا بڑا عظیم الشان سبق بھی ملتا ہے، وہ یہ کہ اپنے جذبات کی تسکین کا نام "دین" نہیں ہے، اپنے جوش کو ٹھنڈا کرنے کا نام "دین" نہیں ہے، بلکہ دین درحقیقت اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی اتباع کا نام ہے، خواہ جذبات کچھ بھی ہوں، مگر اس وقت میں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کا جو مطالبہ ہے وہ کرو، یہی دین ہے۔

اب دیکھئے! صلح حدیبیہ کے موقع پر صحابہ کرام کے جذبات تو یہ تھے کہ کفار سے مقابلہ ہو جائے اور ہم بزدلی میں مبتلا ہو کر ان کی دبی ہوئی شرائط کو کیوں مانیں؟ لیکن جب حضور اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل دیکھا تو سارے جذبات ٹھنڈے پڑ گئے۔

لیڈر اور قائد کیسا ہو

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ بڑی پیاری بات فرمایا کرتے تھے، وہ یہ کہ لیڈر اور قائد وہ ہوتا ہے جو عوام کو جس طرح جوش دلا کر چڑھائے، اسی طرح انکا جوش اتار بھی سکے، یہ نہ ہو کہ بانس پر چڑھا تو دیا لیکن جب اتارنے کا وقت آیا تو خود بے قابو ہو گئے۔ عوام کے اندر جوش و خروش پیدا کر دیا، اور اس کے نتیجے میں لوگ قابو سے باہر ہو گئے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر قائد عوام کے پیچھے چلتا ہے، اور عوام جو کہتی ہے وہی وہ کرتا ہے، حالانکہ قائد کا کام تو رہنمائی کرنا ہے، اگر لوگ غلط راستے پر جا رہے ہیں تو ان کی رہنمائی کرے۔ لہٰذا قائد وہ ہے جو عوام کو جوش دلا کر چڑھائے تو اتار بھی سکے۔

قائد ہو تو ایسا

صحابہ کرامؓ کے دلوں میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جذبۂ جہاد پیدا فرمایا، لیکن جب جہاد کا موقع نہیں تھا جیسے صلح حدیبیہ کے موقع پر تو پھر ان کو اس طرح اتار دیا کہ ایک صحابی نے بھی اس موقع پر ایک تلوار نہیں لہرائی۔ اس سے پتہ چلا کہ دین درحقیقت اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی اتباع کا نام ہے، اس وقت مجھ سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا مطالبہ ہے؟ اس مطالبے کو پورا کرنے کا نام دین ہے، اپنے جذبات اور اپنا شوق پورا کرنے کا نام دین نہیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے کہا وہ کرو۔ صحابہ کرامؓ نے اس کا نمونہ بن

کر دکھادیا کہ جب غزوہ بدر اور غزوہ احد میں فداکاری اور جانثاری کا موقع آیا تو وہاں پہاڑوں کی مانند ڈٹ گئے، اور جہاں پیچھے ہٹنے کا موقع آیا جیسے صلح حدیبیہ پر تو وہاں پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے عین مطابق پیچھے ہٹ گئے۔ اسی کا نام دین ہے۔ بہر حال! بات یہ چل رہی تھی کہ مشورہ چھوٹوں سے بھی ہوتا ہے۔

مشورہ پر عمل ضروری نہیں

مشورہ کے بارے میں ایک اور مسئلہ سنئے! وہ یہ کہ مشورہ لینے کا مقصد کیا ہوتا ہے؟ مشورہ لینے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ایک صاحب بصیرت شخص کی رائے سامنے آجائے، لیکن جس نے مشورہ لیا ہے وہ آپ کے مشورے پر عمل کرنے کا پابند نہیں ہے بلکہ اس کو اختیار ہے، اگر اس کے دل میں وہ مشورہ اتر جائے تو اس پر عمل کرے، اور اگر اس کے دل میں یہ خیال آرہا ہے کہ یہ مشورہ تو مناسب معلوم نہیں ہو رہا ہے تو اس مشورے پر عمل نہ کرے، شرعی اعتبار سے اس کو اختیار ہے۔ اب مثلاً فرض کریں کہ آپ نے کسی کو کسی بات پر مشورہ دیا اور اس نے اس مشورے پر عمل نہیں کیا تو اس میں ناراض ہونے کی کوئی بات نہیں کہ اس نے ہماری بات نہیں رکھی اور ہماری بات نہیں مانی یا ہمارا مشورہ قبول نہیں کیا، اس لئے کہ مشورہ کا مقصد تو آپ کی رائے معلوم کرنی تھی، وہ معلوم ہو گئی، اب اس کو اختیار ہے چاہے اس مشورے پر عمل کرے اور چاہے عمل نہ کرے۔

حضرت بریرہؓ کا واقعہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون اس دنیا میں صاحب الرائے ہو گا، لیکن ایک صحابیہ تھیں حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، یہ پہلے باندی

تھیں، بعد میں مسلمان ہو گئی تھیں، ان کے آقا نے ان کا نکاح حضرت مغیث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کر دیا تھا۔ شریعت کا اصول یہ ہے کہ جب کوئی عورت کسی کی باندی ہو تو آقا اس کا ولی اور سرپرست ہوتا ہے، اور آقا کو اختیار ہوتا ہے کہ اپنی باندی کا جس سے چاہے نکاح کر دے، وہ باندی منع نہیں کر سکتی۔ بہر حال! آقا نے ان کا نکاح کر دیا، اور کچھ عرصہ کے بعد آقا نے ان کو آزاد کر دیا۔ اور شریعت کا دوسرا حکم یہ ہے کہ اگر باندی آزاد کر دی جائے اور آقا نے اس کا نکاح پہلے کسی سے کر رکھا ہو تو باندی کو آزادی کے بعد اختیار ملتا ہے کہ چاہے اس نکاح کو برقرار رکھے یا چاہے تو ختم کر دے۔ چنانچہ جب حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آزاد ہوئیں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے شریعت کا یہ حکم حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بتادیا کہ اب تمہیں اختیار ہے کہ چاہو تو اپنے شوہر کے نکاح میں رہو اور چاہو تو علیحدگی اختیار کر لو۔ حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے شوہر سے خوش نہیں تھیں، اس لئے انہوں نے علیحدگی اختیار کرنے کا ارادہ کر لیا، ان کے شوہر حضرت مغیث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان سے بہت محبت تھی، وہ یہ چاہتے تھے کہ حضرت بریرہ اس نکاح کو ختم نہ کریں بلکہ باقی رکھیں۔

حضرت مغیثؓ کی حالت زار

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ منظر ابھی تک میری آنکھوں کے سامنے ہے کہ مدینہ منورہ کی گلیوں میں حضرت مغیث رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پیچھے جارہے ہوتے تھے اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہوتے تھے، اور ان سے کہہ رہے ہوتے تھے

کہ خدا کے لئے میرے ساتھ نکاح کو ختم نہ کریں۔ لیکن حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نہیں مان رہی تھیں۔

آپ کا حکم ہے یا مشورہ ہے؟

بالآخر حضرت مغیث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے جاکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں یہ چاہتا ہوں کہ حضرت بریرہ نکاح ختم نہ کریں، لیکن ان کا ارادہ نکاح ختم کرنے کا ہے، آپ کچھ سفارش فرمادیں کہ یہ میرے ساتھ نکاح کو برقرار رکھیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بلایا اور ان سے فرمایا کہ تم ان کے ساتھ نکاح کیوں برقرار نہیں رکھتیں، اس نکاح کو برقرار رکھو۔ حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سوال کیا کہ حضور! آپ یہ جو فرمارہے ہیں کہ اس نکاح کو برقرار رکھو، یہ آپ کا مشورہ ہے یا حکم ہے؟ اگر حکم ہے تو مجھے سرتابی کرنے کی مجال نہیں، پھر تو یقیناً اس حکم کو مانوں گی اور اس نکاح کو برقرار رکھوں گی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ میرا حکم نہیں ہے بلکہ مشورہ ہے، حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا: پھر تو میں آزاد ہوں کہ اس مشورے کو قبول کروں یا نہ کروں۔ بات یہ ہے کہ ان کے ساتھ میری زندگی گزرنی مشکل ہے، اس لئے میں ان سے علیحدگی اختیار کرتی ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے۔

صحابیات کی فراست

اب آپ صحابیات کی فہم و فراست دیکھئے! ایک طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا بھی حق ادا فرمایا اور آپ سے یہ پوچھ لیا کہ اگر آپ کا یہ حکم ہے تو پھر اپنی رائے، اپنی خواہش، اپنے جذبات، ہر چیز کو آپ کے حکم پر قربان کردوں گی۔ لیکن اگر آپ کا مشورہ ہے تو مشورہ کے اندر شریعت نے اختیار دیا

ہے کہ چاہے مشورہ پر عمل کریں یا عمل نہ کریں، لہٰذا مشورہ کی صورت میں میں اپنی رائے کو اختیار کروں گی۔ چنانچہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس بات کا بُرا نہیں منایا اور یہ نہیں فرمایا کہ اے بریرہ! تم نے ہمارے مشورے کو بھی نہیں مانا؟ ہمارے مشورے کو قبول نہیں کیا؟ کوئی برا نہیں منایا، بلکہ ایک اعتبار سے ان کے اس فعل کی توثیق فرمائی۔

''حکم'' اور ''مشورے'' میں فرق

اور شریعت کا یہ حکم بتادیا کہ جب کوئی بڑا کسی کام کو کہے تو پہلے یہ اندازہ کرلو کہ آیا وہ حکم دے رہا ہے یا مشورہ دے رہا ہے، اگر حکم دے رہا ہے تو اسکی بات ماننی چاہئے، مثلاً باپ یا استاد یا شیخ کسی بات کا حکم دے رہے ہیں تو ان کی بات ماننی چاہئے، لیکن اگر مشورہ دے رہے ہیں تو مشورے کے اندر دونوں راستے کھلے ہیں۔ لہٰذا جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا مشورہ نہ ماننے پر برا نہیں منایا تو ہم اور آپ کیوں بُرا مناتے ہیں کہ ہم نے فلاں کو یہ مشورہ دیا تھا لیکن ہمارا مشورہ نہیں مانا گیا۔

خوب سمجھ لیجئے کہ دوسرے کو مشورہ دیتے وقت یہ ذہن میں نہ رکھیں کہ وہ ہمارا مشورہ مانتا ہے یا نہیں مانتا، بس اپنی طرف سے آپ صرف اس بات کے مکلّف ہیں کہ دیانتدارانہ طور پر اس کی خیر خواہی کو مدنظر رکھتے ہوئے جو مشورہ دینا چاہیں وہ دیدیں، آگے اس کو اختیار ہے۔ اور آپ سے آخرت میں یہ سوال نہیں ہوگا کہ اس نے آپ کے مشورے پر کیوں عمل نہیں کیا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو داروغہ نہیں بنایا ہے، آپ کا فرض ادا ہوگیا، اب اس کا کام ہے کہ وہ اس پر عمل کرے یا نہ کرے، چاہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو۔

خلاصہ

یہ مشورے کے آداب ہیں جو ہمیں قرآن کریم نے سکھائے ہیں، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نے ہمیں سکھائے ہیں۔ ان کو مد نظر رکھتے ہوئے مشورہ لیا جائے اور مشورہ دیا جائے تو اللہ تعالیٰ اس میں برکت عطا فرماتے ہیں، پھر اس مشورے سے کوئی فتنہ پیدا نہیں ہوتا، اس سے کوئی ناچاقی، عداوت اور اختلافات پیدا نہیں ہوتے، لیکن جب ان احکام کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے تو پھر لوگوں کے درمیان اس کی وجہ سے ناچاقیاں اور عداوتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان احکام پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

شادی کرو، لیکن اللہ سے ڈرو

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقامِ خطاب ــــ جامع مسجد بیت المکرم گلشنِ اقبال کراچی

وقتِ خطاب ــــ بعد عصر تا مغرب

تعداد صفحات ــــ ۲۹

جلد نمبر ــــ ۱۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شادی کرو، لیکن اللہ سے ڈرو

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريک له، ونشهد أن سيدنا ونبينا ومولانا محمداً عبده ورسوله، صلى الله تعالىٰ عليه وعلىٰ آله واصحابه وبارک وسلم تسليماً كثيراً.

اما بعد فأعوذ بالله من الشيطٰن الرجيم، بسم الله الرحمن الرحيم، يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيْرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوْا اللهَ الَّذِىْ تَسَائَلُوْنَ بِهٖ وَالاَرْحَام، إِنَّ اللهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا (النساء: ۱) آمنت بالله صدق الله مولانا العظيم، وصدق رسوله النبى الكريم، ونحن على ذلک من الشاهدين والشاكرين والحمد لله رب العالمين.

تمہید

الحمد للہ ابھی ایک عزیز د ت (جناب حنیف کمال صاحب) کے نکاح

کی تقریب میں ہم سب کو شمولیت کی سعادت حاصل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اس نکاح کو مبارک فرمائے، آمین۔ اس نکاح کا خطبہ پڑھتے وقت خیال یہ ہوا کہ آج اس موقع کی مناسبت سے بھی اور معاشرے کی ضرورت کے لحاظ سے بھی آج کچھ باتیں نکاح کے خطبہ سے متعلق بیان ہو جائیں۔ کیونکہ یہ خطبہ جو ہر نکاح کے وقت پڑھا جاتا ہے، اس کا بڑا عظیم مقصد ہے، اور ہم عام طور پر اس مقصد کو بھلائے ہوئے ہیں، بلکہ خطبہ نکاح کا پڑھنا ایک رسم بن کر رہ گیا ہے، جس میں نکاح کے وقت ایک نکاح خواں کو بلایا جاتا ہے۔ وہ خطبہ کے الفاظ پڑھ لیتا ہے۔ لوگ سن لیتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس سارے خطبہ کا اور جو آیات کریمہ اس خطبہ میں تلاوت کی جاتی ہیں، ان کا ایک عظیم مقصد ہے جس میں ہم سب کیلئے نکاح سے متعلق بھی اور عام زندگی کے بارے بہت بڑا سبق اور بہت بڑا پیغام دیا گیا ہے۔

حضور کے زمانے میں نکاح کے وقت نصیحت

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں طریقہ یہ تھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ نکاح دیتے، تو اس وقت آپ کچھ نصیحت کی باتیں بھی ارشاد فرمایا کرتے تھے، اب نصیحت کا وہ طریقہ متروک ہو گیا ہے، اور صرف خطبہ کی مسنون آیات تلاوت کرنے پر اکتفا کر لیا جاتا ہے، لہٰذا اس خطبۂ نکاح کی روح کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

نکاح کے وقت خطبہ

نکاح دو افراد کے درمیان ایک سماجی معاہدہ ہے، جس میں طرفین سے

ایجاب وقبول ہوتا ہے، مثلاً نکاح خواں جو بیوی کا وکیل اور نمائندہ ہوتا ہے، وہ شوہر سے کہتا ہے کہ میں نے فلاں خاتون کا نکاح تم سے کیا، شوہر کہتا ہے کہ میں نے قبول کیا۔ لہٰذا جیسے خرید وفروخت کے معاہدات میں ایجاب وقبول ہوتا ہے۔ اسی طرح نکاح کے اندر بھی ایجاب وقبول ہوتا ہے۔ لیکن خرید وفروخت میں ایجاب وقبول کرتے وقت خطبہ پڑھنے کی اور قاضی کی ضرورت نہیں، لیکن نکاح کے وقت ایجاب وقبول سے پہلے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ پڑھنے کو مسنون قرار دیا۔ اگرچہ اس خطبہ کے بغیر بھی نکاح ہو جاتا ہے، لیکن خطبہ پڑھنا سنت ہے۔

نکاح ایک عبادت

اس لئے کہ نکاح کے معاہدے میں اللہ تعالیٰ نے دو شانیں رکھی ہیں:۔ ایک شان تو سماجی معاہدے کی ہے، اور دوسری شان ''عبادت'' کی ہے، کیونکہ نکاح بذات خود ایک عبادت ہے، بلکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نکاح میں معاملے کی شان مغلوب ہے، اور عبادت کی شان غالب ہے۔ بہرحال، اللہ تعالیٰ نے اس نکاح کو ایک عبادت قرار دیا، اور اس کے عبادت ہونے کی وجہ سے اس میں خطبہ پڑھنے کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مسنون قرار دیا۔

خطبہ نکاح میں تین آیات

خطبہ نکاح میں تین آیات پڑھنا مسنون ہے، لیکن اگر غور کیا جائے تو

یہ نظر آئے گا کہ ان آیات میں براہ راست نکاح کا کوئی ذکر موجود نہیں، حالانکہ قرآن کریم کی بہت سی آیات ایسی ہیں، جن میں نکاح کا ذکر بھی ہے، اور نکاح کے الفاظ بھی ہیں۔ میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ سوچنے کی بات یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری آیات کو چھوڑ کر ان تین آیات کا خاص طور پر کیوں انتخاب فرمایا؟ اس کو سمجھنے کیلئے پہلے ان آیات کا ترجمہ دیکھنا مناسب ہے۔

پہلی آیت

پہلی آیت جو تلاوت کی جاتی ہے وہ سورۃ ''نساء'' کی پہلی آیت ہے:

﴿یٰاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِیْرًا وَنِسَاءً، وَاتَّقُوْا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَاءَلُوْنَ بِهٖ وَالاَرْحَامَ،اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا﴾. (سورۃ نساء:۱)

اے لوگو: تم اپنے اس پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا، ایک جان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں، اور اسی ایک جان سے اس کی بیوی یعنی حضرت حوا علیہا السلام کو پیدا کیا، اور ان دونوں کے باہمی تعلق سے بہت سے مرد اور عورتیں دنیا میں پھیلائے۔ پھر دوبارہ فرمایا۔ اور اس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دیکر تم ایک دوسرے سے حقوق کا مطالبہ کرتے ہو۔ اگر کسی کو دوسرے سے اپنا حق مانگنا ہوتا ہے، تو وہ یہ کہتا ہے کہ

اللہ کے واسطے مجھے میرا حق دیدو۔ اس لئے فرمایا کہ جس اللہ کا واسطہ دیکر تم اپنا حق مانگتے ہو، اس سے ڈرو کہ کہیں ان حقوق کی ادائیگی میں اس کے حکم کی کوئی خلاف ورزی نہ ہو جائے۔ اور پھر فرمایا کہ: رشتہ داریوں کے باہمی حقوق سے ڈرو۔ تاکہ رشتہ داریوں کے حقوق پامال نہ ہوں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر نگہبان ہے، اور تمہاری ہر نقل و حرکت کو دیکھ رہا ہے۔

دوسری آیت

دوسری آیت سورۃ آل عمران کی آیت ہے:-

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اتَّقُوْا اللهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلاَ تَمُوْتُنَّ إِلاَّ وَأَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ﴾ (سورۃ آل عمران:۱۰۲)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، جیسے اللہ سے ڈرنے کا حق ہے۔ اور تمہیں موت نہ آئے مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو۔ اللہ کے فرمانبردار اور اطاعت گزار ہو۔ یعنی ساری زندگی اطاعت گزاری میں صرف کرو۔ تاکہ جب موت آئے تو اس وقت تم اللہ تعالیٰ کے مطیع اور فرمانبردار ہو۔

تیسری آیت

تیسری آیت سورہ احزاب کی ہے۔

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اتَّقُوْا اللهَ وَقُوْلُوْا قَوْلاً سَدِيْداً ○ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ يُطِعِ اللهَ وَرَسُوْلَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزاً عَظِيْماً ○﴾ (سورۃ احزاب:۷۰۔۷۱)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، تقویٰ اختیار کرو، اور سیدھی بات کرو، اگر ایسا کروگے تو اللہ تعالیٰ تمہارے لئے تمہارے اعمال میں اصلاح کردیں گے۔ اور تمہارے سب کام بنادیں گے، اور تمہارے گناہ معاف فرمادیں گے، اور جو شخص اللہ کی اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرے اس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کی۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خطبۂ نکاح میں ان تین آیتوں کو پڑھنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ آپ نے خاص نکاح کے موقع پر ان تین آیات کا کیوں انتخاب فرمایا، جبکہ نکاح سے متعلق اور بہت سی آیات قرآن کریم میں موجود ہیں، اور ان تین آیات میں نکاح کا کہیں ذکر بھی نہیں ہے۔

تینوں آیتوں میں ''تقویٰ'' کا ذکر

لیکن ان تین آیات میں غور کیا جائے تو یہ نظر آئے گا کہ ان تین آیتوں میں جو چیز قدرِ مشترک ہے۔ جس کا تینوں آیتوں میں ذکر ہے۔ وہ ''تقویٰ'' ہے، اور تینوں آیتیں ''تقویٰ'' کے بیان سے شروع ہو رہی ہیں، نکاح کے موقع پر خاص طور پر ''تقویٰ'' کی تاکید اس لئے کی جارہی ہے کہ لوگ عموماً نکاح کے معاملے کو دین سے خارج سمجھتے ہیں۔ اور اس بارے میں شریعت کے احکام کو پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ نکاح سے پہلے بھی اور نکاح کے وقت اور نکاح کے بعد بھی ان احکام کی طرف دھیان نہیں کرتے۔ اس وجہ سے نکاح کے موقع پر خاص طور پر اس بات کی تاکید جارہی ہے کہ

تقویٰ اختیار کرو۔ کیونکہ اگر غور کیا جائے تو یہ بات سامنے آئے گی کہ درحقیقت یہ نکاح کا رشتہ کبھی صحیح معنی میں خوشگوار نہیں ہوسکتا جب تک دلوں میں تقویٰ نہ ہو تقوے کے بغیر ایک دوسرے کے حقوق صحیح معنی میں ادا ہی نہیں کئے جاسکتے۔

ازدواجی زندگی کے تین مواقع، یعنی ایک نکاح سے پہلے، ایک نکاح کے وقت، ایک نکاح کے بعد۔ ان تینوں مواقع پر ہم نے دین کو پس پشت ڈالا ہوا ہے، بس اتنا ضرور کر لیتے ہیں کہ نکاح کے وقت کسی مولوی صاحب کو بلا کر ان سے آیتیں پڑھوالیں، خطبہ پڑھوا کر نکاح کرلیا۔ لیکن اس نکاح سے پہلے کیا کام کیا، اور عین اس نکاح کے وقت کیا عمل کر رہے ہیں؟ اور نکاح کے بعد کیا کریں گے؟ ان تمام اعمال سے نہ خدا کا کوئی تعلق، اور نہ خدا کے رسول کا کوئی تعلق۔ حالانکہ یہ نکاح ایک عبادت ہے، اور ایک ثواب کا کام ہے۔

نکاح، فطری خواہش پوری کرنے کا آسان راستہ

پھر اللہ تعالیٰ نے شریعت اسلامیہ میں نکاح کو اتنا آسان بنادیا کہ اس سے زیادہ آسان کوئی دوسرا معاملہ نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ جو دین اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمایا ہے اس میں ہمارے نفسیات کی پوری رعایت ہے۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مرد کے دل میں عورت کی طرف اور عورت کے دل میں مرد کی طرف ایک کشش رکھی ہے، اس کشش کا نتیجہ یہ ہے کہ انسان کی فطرت یہ تقاضا کرتی ہے کہ زندگی مرد اور عورت دونوں کے

باہمی اشتراک سے بسر ہو۔ بعض مذہب وہ ہیں جنہوں نے یہ کہہ دیا کہ یہ کشش شیطانی خواہش ہے، لہٰذا جب تک اس شیطانی خواہش کو نہیں مٹاؤ گے، اس وقت تک اللہ کا قرب حاصل نہیں ہوگا، چنانچہ ان مذاہب نے ''رھبانیت'' کی بنیاد ڈالی۔ اور یہ کہہ دیا کہ نکاح اور شادی نہ کرو، مجرد زندگی گزارو۔ لیکن اسلام جو دین فطرت ہے، وہ جانتا تھا کہ یہ کشش انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ اگر فطرت سے بغاوت کی جائے گی تو یہ فطرت غلط اور ناجائز اور حرام راستے تلاش کریگی۔ چنانچہ قرآن کریم کا ارشاد ہے:-

﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلاً مِنْ قَبْلِکَ وَجَعَلنَا لَهُمْ اَزْوَاجاً وَ ذُرِّيَةً﴾

(سورۃ الرعد: ۳۸)

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، ہم نے آپ سے پہلے بھی انبیاء بھیجے، اور ہم نے ان کو بیویاں بھی عطا کیں، اور اولاد بھی عطا کی۔ لہٰذا بیوی بچوں سے الگ زندگی نہیں گزارنی، بلکہ بیوی بچوں کے ساتھ زندگی گزارنی ہے اسلئے کہ یہ فطرت کا ایک تقاضہ ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس فطری تقاضے کو پورے کرنے کا جائز راستہ اتنا آسان کردیا کہ اس میں کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں لگائی۔

نکاح کیلئے خطبہ شرط نہیں

چنانچہ نکاح کے وقت خطبہ پڑھنا بھی کوئی لازمی شرط نہیں، واجب اور فرض نہیں، البتہ سنت ضرور ہے۔ اگر دو مرد وعورت بیٹھ کر ایجاب وقبول

کرلیں، اور دو گواہ اس مجلس میں موجود ہوں، یا تو دو مرد گواہ ہوں، یا ایک مرد اور دو عورتیں بطور گواہ موجود ہوں۔ تو بس نکاح ہو گیا، اور وہ دونوں ایک دوسرے کیلئے حلال ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس نکاح کو اتنا آسان کر دیا، تاکہ انسان کی جو فطری خواہش ہے، اس کو پورا کرنے کا جائز راستہ اتنا آسان ہو جائے کہ اس میں کوئی دشواری نہ ہو۔ نکاح کیلئے نہ منگنی شرط ہے نہ مہندی شرط ہے، نہ تقریب شرط ہے، نہ اجتماع شرط ہے، نہ کسی کو بلانا شرط ہے۔

برکت والا نکاح

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

"اَعْظَمُ النِّکَاحِ بَرَکَۃً اَیْسَرُہٗ مُؤْنَۃً" (مسند احمد: ۶۔۸۲)

یعنی سب سے زیادہ برکت والا نکاح وہ ہے جس میں مشقت کم سے کم ہو، زیادہ مشقت نہ اٹھائی گئی ہو، بلکہ سادگی کے ساتھ، بغیر کسی تکلیف کے نکاح کر لیا گیا ہو۔ ایسے نکاح میں اللہ تعالیٰ زیادہ برکت عطا فرماتے ہیں۔

ہم نے نکاح کو مشکل بنا دیا

لیکن شریعت نے اس نکاح کو جتنا آسان بنایا تھا، ہم نے اس کو اتنا ہی مشکل بنا دیا، آج نکاح کرنا ایک عذاب ہے سالوں اور مہینوں پہلے سے جب تک اس کی تیاری نہ کی جائے، اور اس پر لاکھوں روپیہ خرچ نہ کیا جائے، اس وقت تک نکاح نہیں ہو سکتا۔ دیکھئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ

وسلم کے عہد مبارک میں کس طرح نکاح ہوتے تھے:-

سادگی سے نکاح کرنے کا ایک واقعہ

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، یعنی ان دس خوش نصیب صحابہ میں سے ہیں، جن کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحت کے ساتھ خوشخبری دیدی کہ یہ جنت میں جانے والے ہیں۔ یوں تو تمام صحابہ کرام کا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ تعلق تھا، لیکن عشرہ مبشرہ تو وہ دس صحابہ ہیں جو اخص الخواص ہیں، ان میں سے ایک حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوئے، آپ نے دیکھا کہ ان کی قمیص پر ایک زرد نشان لگا ہوا ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تمہاری قمیص پر یہ پیلا نشان کیسے لگ گیا؟ جواب میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یارسول اللہ! میں نے نکاح کیا ہے، نکاح کی وجہ سے میں نے خوشبو لگائی تھی، یہ اس خوشبو کا نشان ہے، آپ نے ان کو دعا دیتے ہوئے فرمایا: بارک اللہ لک وعلیک، اللہ تعالیٰ تمہیں برکت عطا فرمائے۔ پھر فرمایا "أولم ولو بشاةٍ" ولیمہ کرلینا۔ چاہے ایک بکری کے ذریعہ ہو۔

(صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب فاذا قضیت الصلوٰۃ)

یہ سادگی آپ بھی اختیار کریں

اب آپ ملاحظہ فرمائیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف مہاجر صحابہ کرام میں سے ہیں، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کا دور کا رشتہ بھی ہے، عشرہ مبشرہ میں ہیں۔ لیکن اپنے نکاح میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نہیں بلایا، بلکہ نکاح کے بعد آپ کے پوچھنے پر بتایا کہ میں نے نکاح کرلیا ہے۔ اور پھر خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی شکایتاً یہ نہیں کہا کہ تم نے اکیلے نکاح کرلیا ہمیں بلایا بھی نہیں، بلکہ برکت کی دعا دی کہ "بارک اللہ لک وعلیک" البتہ یہ فرمایا کہ ولیمہ کرلینا، چاہے اس کے لئے ایک بکری ہی ذبح کرنی پڑے، اب دیکھئے کہ نکاح کی مجلس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک کو بھی دعوت دینے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ اتنی سادگی کے ساتھ نکاح فرمالیا۔

آج اگر کوئی شخص اس طرح نکاح کرلے کہ اپنے خاص لوگوں بھی نہ بلائے۔ تو پھر دیکھئے گا کہ اس سے لوگوں کو کتنی شکایتیں ہونگی، کتنے شکوے اور گلے ہونگے کہ یہ صاحب تو اکیلے اکیلے نکاح کرکے بیٹھ گئے، ہمیں پوچھا تک نہیں، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی شکایت نہیں کی۔

حضرت جابر کو نوازنے کا واقعہ

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ انصاری صحابی ہیں، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب صحابی ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا

ان کے ساتھ محبت کا بڑا خصوصی تعلق تھا۔ ان کا واقعہ روایت میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ غزوہ بنی مصطلق سے جہاد کر کے واپس آرہے تھے، ان کا اونٹ بہت سست رفتار تھا۔ اور اڑیل تھا۔ یہ اس کو تیز چلانے کی کوشش کرتے تھے۔ مگر وہ نہیں چلتا تھا۔ پورا قافلہ آگے نکل جاتا۔ اور یہ پیچھے رہ جاتے تھے، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا کہ یہ بار بار پیچھے رہ جاتے ہیں تو آپ ان کے پاس گئے اور ان سے پوچھا کہ تم قافلہ کے ساتھ ساتھ کیوں نہیں چلتے، انہوں نے فرمایا کہ یا رسول اللہ، یہ اونٹ چل کر نہیں دیتا، میں اس کو تیز چلانے کی کوشش کرتا ہوں مگر یہ پھر پیچھے رہ جاتا ہے۔ آپ نے قریب کی جھاڑی سے ایک لکڑی توڑی۔ اور ہلکے سے وہ لکڑی چابک کے طور پر اس اونٹ کو لگائی جیسے ہی آپ نے وہ لکڑی لگائی، بس وہ اونٹ تو ہوا ہوگیا، اور بہت تیزی سے دوڑنے لگا، یہاں تک کہ تمام قافلے سے آگے نکل گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پھر ان کے قریب پہنچے، اور آپ نے ان سے فرمایا کہ اب تو تمہارا یہ اونٹ بہت تیز دوڑ رہا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یارسول اللہ یہ آپ کی برکت سے اتنا تیز ہوگیا کہ سب سے آگے ہو رہا ہے۔

آپ نے ان سے فرمایا کہ یہ تو بہت شاندار اونٹ ہے، کیا تم یہ اونٹ مجھے بیچو گے؟ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یارسول اللہ، بیچنے کی کیا بات ہے، اگر آپ کو پسند ہے تو آپ میری طرف سے ہدیہ قبول فرمالیں، آپ نے فرمایا کہ ہدیہ نہیں۔ بلکہ میں تو قیمتاً لوں گا، اگر بیچنا چاہتے ہو تو بیچ دو۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر آپ خریدنا چاہتے ہیں تو آپ

جس قیمت پر چاہیں خرید لیں۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں تم بتاؤ کہ کس قیمت پر بیچتے ہو؟ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ یا رسول اللہ! میں اس کو ایک اوقیہ چاندی کے عوض فروخت کرتا ہوں، (اوقیہ چاندی کا ایک وزن ہوتا تھا، جو تقریباً چالیس درہم کے برابر ہوتا تھا) آپ نے فرمایا کہ تم نے تو بہت زیادہ قیمت لگادی۔ اس قیمت میں تو بڑے بڑے اونٹ آجاتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ یا رسول اللہ۔ آپ جتنی قیمت لگانا چاہیں لگادیں، آپ نے فرمایا کہ چلو میں ایک اوقیہ میں خریدتا ہوں۔ اور میں اس کے پیسے مدینہ منورہ پہنچ کر دوں گا۔

اس کے بعد حضرت جابر رضی اللہ عنہ اونٹ سے اتر کر کھڑے ہو گئے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ اونٹ سے کیوں اتر گئے؟ انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ! یہ اونٹ تو آپ نے خرید لیا، اب یہ آپ کا ہو گیا۔ آپ نے فرمایا کہ تم مدینہ منورہ تک پیدل جاؤ گے، ایسا کرو کہ تم اسی پر سواری کر کے مدینہ منورہ تک پہنچ جاؤ، وہاں جا کر تم سے یہ اونٹ لیلیں گے، اور پیسے ادا کر دیں گے۔

جب مدینہ منورہ پہنچے تو انہوں نے وہ اونٹ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجدیا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ اونٹ بھی ان کو واپس کر دیا، اور ایک اوقیہ چاندی بھی ان کو دیدی۔ یہ درحقیقت ان کو نوازنے کا ایک بہانہ تھا۔

سادگی سے نکاح کا دوسرا واقعہ

حدیث شریف میں ہے جس وقت وہ اونٹ تیز چل رہا تھا، اور حضور

اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ساتھ چل رہے تھے۔ اس وقت آپ نے ان سے پوچھا کہ بھائی تم نے شادی بھی کی یا نہیں؟ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ میں نے غزوہ میں آنے سے پہلے نکاح کرلیا ہے۔ آپ نے پھر سوال کیا کہ تم نے کسی کنواری سے نکاح کیا ہے یا ثیبہ (بیوہ) عورت سے نکاح کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ، میں نے ایک ثیبہ عورت سے نکاح کیا ہے، جو پہلے ایک شخص کے نکاح میں تھیں، جب ان کے شوہر کا انتقال ہوگیا تو میں نے ان سے نکاح کرلیا۔ آپ نے پھر سوال کیا کہ تم نے کنواری سے کیوں نکاح نہیں کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ دراصل میرے والد صاحب کا انتقال ہوگیا، اور میری چھوٹی چھوٹی بہنیں ہیں، اس لئے مجھے ایک ایسی عورت کی تلاش تھی جو ان کی بھی دیکھ بھال کرسکے، اس لئے اگر میں نوعمر لڑکی سے نکاح کرتا تو وہ ان کی صحیح دیکھ بھال نہ کرسکتی، اس لئے میں نے ثیبہ عورت سے نکاح کیا۔ چنانچہ یہ سن کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دعا دی۔ اور فرمایا کہ "بارک اللہ لک وعلیک وجمع بینکما بخیر" اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دے اور الفت اور محبت کے ساتھ تم دونوں کو جمع کرے۔ (صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب تزویج الثیبات)

اب آپ اندازہ لگائیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے غزوہ میں جانے سے پہلے مدینہ منورہ میں نکاح کیا، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں ہی تشریف فرما ہیں، اور اس کے بعد غزوہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے، پھر جب اس غزوہ سے واپس ہوئے تو آپ کے پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ میں نے ایک عورت سے نکاح کیا ہے۔ اور

انہوں نے اس کی ضرورت نہیں سمجھی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو مجلس نکاح میں بلائیں نہ ہی حضورر اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شکایت کی کہ تم نے چپکے چپکے نکاح کرلیا، مجھے کیوں نہیں بلایا۔

دوسروں کو بلانے کا اہتمام

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری سیرت طیبہ میں نکاح کی سادگی کا یہ انداز نظر آتا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس نکاح کو آسان رکھا تھا، صحابہ کرام نے اس کو اتنا ہی آسان اور سادہ رکھا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اپنے بڑوں کو اور رشتہ داروں کو نکاح کے موقع پر بلانا حرام اور ناجائز ہے، جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر فرمایا کہ ابوبکر و عمر کو بلالاؤ، نکاح ہونے والا ہے، اس طرح خاص خاص لوگوں کو آپ نے بلالیا، لہٰذا بلانا جائز ہے۔ لیکن نکاح کے اندر اہتمام کہ جب تک فلاں شخص نہیں آجائے گا اور جب تک فلاں شرائط پوری نہیں ہوں گی، اور جب تک فلاں فلاں رسمیں نہیں ہونگی، اس وقت تک نکاح منعقد نہیں ہوگا، شریعت میں ایسے اہتمام کی گنجائش نہیں۔

آج ہم نے حلال کو مشکل بنادیا

آج ہم نے نکاح کو مشکل بنادیا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جب حلال کے کے دروازے بند کردیے تو حرام کے دروازے کھل رہے ہیں، آج اگر حلال کا راستہ کوئی شخص اختیار کرنا چاہے تو اس کے راستے میں پابندیاں اور

رکاوٹیں ہیں، اور جب تک لاکھوں روپیہ نہ ہو۔ وہ حلال راستہ اختیار نہیں کرسکتا، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ لوگ حرام کی طرف جارہے ہیں، اور اس کے دروازے چوپٹ کھلے ہیں۔ اس کے ذریعہ معاشرے میں فساد پھیل رہا ہے۔

تین چیزوں میں تاخیر مت کرو

ایک حدیث جو یاد رکھنے کی ہے وہ یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

"ثلاثاً لا تؤخرها، الصلاۃ اذا دخل وقتها، الجنازۃ اذا حضرت، والایم اذا وجدت لها كفواً"

(ترمذی، کتاب الصلاۃ، باب ماجاء فی الوقت الاول من الفضل)

تین چیزیں ایسی ہیں کہ جن کے میں تاخیر اور دیر نہ کرو۔

(۱) جب جنازہ تیار ہو کر آجائے تو نماز جنازہ پڑھنے میں دیر نہ کرو۔ نماز جنازہ کو جلدی پڑھنے کا حکم اتنی اہمیت رکھتا ہے کہ بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر ایسے وقت میں جنازہ آئے جب کہ جماعت تیار ہو، تو فرض تو پہلے ادا کر لئے جائیں، فرضوں کے بعد پہلے جنازہ کی نماز ادا کی جائے، اس کے بعد سنتیں ادا کی جائیں۔ بعض فقہاء کا کہنا یہ ہے کہ فرضوں کے بعد سنتیں پڑھنا تو جائز ہے لیکن نفلیں پڑھنا جائز نہیں، جب تک نماز جنازہ نہ پڑھ لیں، فتویٰ بھی اسی قول پر ہے۔ عام لوگوں کو یہ مسئلہ معلوم نہیں ہے، چنانچہ نماز جنازہ کا اعلان ہونے کے باوجود لوگ فرض نماز کے بعد نوافل پڑھنا

شروع کر دیتے ہیں۔ حالانکہ نفلوں کی وجہ سے نماز جنازہ میں تاخیر کرنا جائز نہیں۔

(۲) دوسری چیز یہ بیان فرمائی کہ جب نماز کا وقت مستحب شروع ہو جائے تو اس کے بعد نماز میں تاخیر نہ کرو۔ بلکہ جتنی جلدی ہو سکے نماز پڑھ لو۔ بعد میں پھر وقت ملے یا نہ ملے۔ پھر حالات سازگار رہیں یا نہ رہیں۔

(۳) تیسری چیز یہ بیان فرمائی کہ جب بے شوہری لڑکی کا مناسب رشتہ مل جائے تو اس کے نکاح میں تاخیر نہ کرو۔

لہٰذا ان تینوں چیزوں میں تاخیر نہ کرنی چاہئے۔ ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا کہ اگر تم ایسا نہیں کرو گے، یعنی مناسب رشتہ ملنے پر لڑکی کا رشتہ نہیں کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بہت فساد پھیلے گا۔ وہ فساد یہ ہوگا کہ جب آپ نے حلال کا راستہ روک دیا تو پھر حرام کا راستہ کھل جائے گا۔

ان فضول رسموں کو چھوڑ دو

لہٰذا شریعت نے نکاح کو جتنا آسان بنا دیا تھا آج ہم نے اس کو اتنا ہی مشکل بنا دیا، اور اس کو ایک عذاب بنا دیا، اور پرتکلف بنا دیا، خدا جانے کیا کیا رسمیں اس کے اندر ہم نے اپنی طرف سے گھڑ لیں کہ پہلے منگنی ہونی چاہئے، اور منگنی کے اندر فلاں فلاں رسمیں ہونی چاہئیں، شادی سے پہلے مہندی ہونی چاہئے، ان رسموں کے بغیر نکاح نہیں ہو سکتا، یہ سب ہم نے اپنی طرف سے اضافے کر رکھے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج نکاحوں میں بے برکتی ہو رہی ہے۔

علی الاعلان نکاح کرو

دوسرے نکاح کے وقت انجام دیے جانے والے امور ہیں، جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ نکاح ایک عبادت ہے حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اعلنوا ھذا النکاح واجعلوہ فی المساجد"

(ترمذی، کتاب النکاح، باب ماجاء فی الاعلان النکاح)

یعنی نکاح کا اعلان کرو، علی الاعلان نکاح ہونا چاہئے، حلال اور حرام میں یہی فرق ہے کہ حرام کام چوری چھپے ہوتا ہے، اور خفیہ طریقے سے ہوتا ہے، اس لئے نکاح میں شریعت نے یہ ضروری قرار دیا کہ علی الاعلان ہو، لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ فلاں کا نکاح فلاں کے ساتھ ہو گیا ہے۔ آگے فرمایا کہ اس نکاح کو مسجد میں انجام دو، اس کو بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت قرار دیا۔ اس لئے کہ نکاح ایک عبادت ہے، اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل ہے، لہٰذا جس طرح نماز عبادت ہے۔ اسی طرح نکاح بھی عبادت ہے، اسلئے اس کو مسجد میں انجام دینے کی تاکید فرمائی ہے۔

نکاح کے بعد مسجد میں شور و شغب

لیکن یہاں ایک مسئلہ اور سن لیجئے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے کی حیثیت سے آپ ہی کی نگاہ وہاں تک پہنچ سکتی ہے، وہ یہ کہ

ایک دوسری حدیث میں جہاں آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ نکاح میں مسجدوں میں انجام دو، وہاں ساتھ ہی آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ:

"وَإِيَّاكم وهيشات الأسواق"

(ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، باب من يستحب أن يلي الامام في الصف)

یعنی بازاروں کی طرح کے شور وشغب سے بچو۔ اب ہمارے ہاں اس کا رواج تو ہو رہا ہے کہ نکاح مسجد میں ہوتے ہیں لیکن اس حدیث کے ذریعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس طرف توجہ دلا رہے ہیں کہ ایسا نہ ہو کہ نکاح تو مسجد میں کرلیا، لیکن نکاح کے نتیجے میں مسجد کے اندر شور وشغب شروع ہوگیا۔ آج کل اس کا لحاظ نہیں کیا جاتا، بلکہ نکاح کی محفل کے بعد شور وشغب شروع ہو جاتا ہے۔ چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ مبارک اس طرف دیکھ رہی تھیں کہ جب لوگ اس حکم پر عمل کریں گے تو کہیں اس گناہ کے اندر مبتلا نہ ہو جائیں، اس لئے آپ نے پہلے ہی خبردار فرما دیا کہ مسجدوں کو بازاروں کی طرح کے شور وشغب سے بچاؤ۔

عبادت میں گناہ کی آمیزش

لہٰذا جب نکاح عبادت ہے تو عبادت کو گناہ کی آمیزش سے پاک ہونا چاہئے، یہ عجیب بات ہے کہ عبادت بھی ہو رہی ہے، اور ساتھ ساتھ حرام کام بھی ہو رہا ہے، گناہ بھی ہو رہا ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص نماز بھی پڑھے، اور نماز کے دوران ریکارڈنگ بھی لگادے، اب نماز بھی ہو رہی ہے، اور فلمی گانے بھی چل رہے ہیں۔ کوئی شخص ہی گیا گزرا کیوں نہ ہو، لیکن وہ کم از کم نماز

کے وقت گناہ سے پرہیز کرنے کی کوشش کریگا، نماز پڑھتے وقت اگر سامنے تصویر ہوگی تو اس تصویر کو ہٹا دیگا، اگر موسیقی بج رہی ہوگی تو اس کو بند کر دیگا۔ ہندوستان میں یہ ہوتا تھا کہ اگر کسی کافر نے نماز کے وقت مسجد کے سامنے باجا بجادیا تو اس پر فساد ہو جاتا تھا، اور مسلمان اس پر اپنی جان دیدیتے تھے۔ اور اب ماشاءاللہ مسجدوں کے سامنے خود گانے بجانے شروع کر دیے۔ لہٰذا عین نماز کے وقت اور عین عبادت کے وقت کم از کم انسان اس بات کا اہتمام کرتا ہے کہ کوئی گناہ کا کام نہ ہو۔

نکاح کی محفل گناہوں سے پاک ہو

لہٰذا نکاح کے عبادت ہونے کا تقاضہ یہ ہے کہ نکاح کی محفل جو عبادت کی محفل ہے، جو سنت کی ادائیگی کی محفل ہے، اور جو ایک ثواب کی محفل ہے، اور جس محفل پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہو رہی ہیں، کم از کم اس محفل کو تو گناہوں سے پاک کیا جائے۔ آج ہم نے اس محفل کو ہر طرح کے گناہوں کا ملغوبہ بنادیا ہے، مرد و عورت کا آزادانہ میل ہو رہا ہے، عورتیں بن سنور کے محفل کے اندر آرہی ہیں ساتھ میں نکاح کی عبادت بھی ہو رہی ہے، یہ کیسی عبادت ہو رہی ہے، یہ کیسی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی ادائیگی ہو رہی ہے۔

حکم تو یہ دیا جارہا ہے کہ اللہ سے ڈرو، تو اگر اس نکاح کو انجام دیتے ہوئے نافرمانیوں کا ارتکاب کروگے تو اس نکاح کے اندر برکت نہیں ہوگی۔ برکت اس وقت ہوگی جب نکاح کے موقع پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جائے،

اور اس کو سادگی کے ساتھ انجام دیا جائے، اس میں کوئی گناہ کا کام نہ ہو۔ اگر لوگوں کا اجتماع بلالیا، تو یہ کوئی ناجائز اور حرام کام نہیں ہے، دعوت بھی کردی۔ لیکن گناہ کا کوئی کام نہ کیا جائے۔ اس لئے کہ نکاح تو اس لئے کیا جارہا ہے کہ انسان کی فطری خواہش کی تسکین کیلئے جائز طریقہ نکالا جائے۔ اگر گناہ کے کام اس کے اندر کئے جائیں گے تو نکاح کے مقصد کے خلاف ہے۔ اس لئے نکاح کی محفل میں گناہ کے کاموں سے پرہیز کیا جائے۔

خوشگوار ازدواجی کیلئے تقویٰ کی ضرورت

تیسری بات نکاح کے بعد تقویٰ اختیار کرنے کی ہے، میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میاں بیوی کے تعلقات اس وقت تک خوشگوار نہیں ہوسکتے، جب تک دونوں کے دل میں تقویٰ نہ ہو، اللہ کا خوف نہ ہو۔ دیکھئے دونوں میاں بیوی کے درمیان اتنا قریبی تعلق ہوتا ہے کہ اس سے زیادہ قریبی تعلق کسی اور کے درمیان نہیں ہوسکتا، دونوں ایک دوسرے کے محرم راز ہوتے ہیں، دونوں ایک دوسرے کے اتنے زیادہ قریب ہوتے ہیں کہ اس سے زیادہ قرب کا تصور اس دنیا میں نہیں کیا جاسکتا، دونوں کے آپس کے تعلقات ایسے ہیں کہ وہ کبھی بھی دوسروں کے سامنے مکمل طور پر نہیں آسکتے، لہٰذا تنہائی کے اس عالم میں جب کہ ایک دوسرے کے ساتھ خلوت ہے، اس وقت ایک دوسرے کو تکلیف پہنچائیں، یا حق تلفی کریں تو کوئی ان کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں۔ بہت سے حقوق تو ایسے ہیں کہ اگر کوئی شخص آپ کی حق تلفی کرے تو پولیس کے ذریعہ وہ حق

وصول کیا جا سکتا ہے۔ یا عدالت میں دعویٰ دائر کر کے عدالت کے ذریعہ وہ حق وصول کیا جا سکتا ہے۔ لیکن میاں بیوی کے بیشتر حقوق ایسے ہیں کہ ان کو نہ تو پولیس کے ذریعہ وصول کیا جا سکتا ہے، اور نہ عدالت کے ذریعہ حاصل کیا جا سکتا ہے، عدالت زیادہ سے زیادہ یہ کرے گی کہ بیوی کو نان نفقہ دلا دیگی، اور مہر دلا دیگی، لیکن اگر شوہر گھر میں آ کر منہ چڑھا کر بیٹھ جاتا ہے، اور جب بات کرتا ہے تو جلی کٹی سناتا ہے، تو اب یہ جلی کٹی سنانے کا اور منہ چڑھا کر بیٹھ جانے کا جو دکھ ہے، اس کا ازالہ کونسی عدالت اور کونسی پولیس کریگی؟

''اللہ کا خوف'' حقوق کی ادائیگی کرا سکتا ہے

اگر کوئی چیز اس دکھ کا ازالہ کر سکتی ہے تو وہ صرف ایک چیز ہے، وہ ہے ''اللہ کا خوف'' جب شوہر کے دل میں اس بات کا احساس ہو کہ بیوی کا وجود اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ وابستہ کر دیا ہے، تو اس کے میرے ذمہ کچھ حقوق ہیں جو مجھے ادا کرنے ہیں، اگر میں ادا نہیں کروں گا۔ تو اللہ تعالیٰ کے ہاں میری پکڑ ہوگی۔ جب تک یہ احساس دل میں نہ ہو، انسان اس کے تمام حقوق ادا نہیں کر سکتا۔ یہ حقوق نہ عدالت دلوا سکتی ہے نہ پولیس دلوا سکتی ہے۔

یہ تو درندے کا وصف ہے

میرے ایک ہم سبق تھے۔ ایک مرتبہ وہ فخریہ انداز میں یہ بیان کرنے لگے کہ جب میں گھر میں داخل ہوتا ہوں، تو میری بیوی اور بچوں کی جرأت

نہیں ہوتی کہ مجھ سے کوئی بات کریں، یا میرے حکم سے سرتابی کرسکیں۔ وہ اپنی مردانگی ظاہر کرنے کیلئے یہ بات بیان کر رہے تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ یہ جو آپ اپنا وصف بیان کر رہے ہیں۔ یہ کسی درندے کا وصف تو ہوسکتا ہے۔ انسان کا تو یہ وصف نہیں ہوسکتا، انسان کا وصف تو وہ ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ جب کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے اندر تشریف لاتے تو اس طرح تشریف لاتے کہ آپ کا چہرہ انور کھلا ہوا تھا، اور آپ کے چہرہ مبارک پر تبسم ہوتا تھا، اور جتنا عرصہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گزارا، اس عرصہ میں آپ نے مجھے کوئی بڑی سرزنش نہیں فرمائی۔

آج تک لہجہ بدل کر بات نہیں کی

یہ ہے انسان کا کام، جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کر کے دکھایا۔ یہ کام اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک دل میں تقویٰ نہ ہو، اللہ کا خوف نہ ہو۔ میرے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب قدس سرہ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین اپنا معمول بیان فرماتے تھے کہ آج میری شادی کو پچپن سال ہوگئے، لیکن آج تک گھر والوں سے غصہ کی حالت میں لہجہ بدل کر بات کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ لوگ کرامت اس کو سمجھتے ہیں کہ کوئی ہوا میں اڑنے لگے، یا جلتی ہوئی آگ میں سے گزر جائے۔ لیکن حقیقی کرامت یہ ہے کہ میاں بیوی کے درمیان اتنا قریبی تعلق ہونے کے باوجود پچپن سال اس طرح گزارے کہ کبھی اہلیہ سے لہجہ بدل کر غصہ کی حالت میں

بات کرنے کی نوبت نہیں آئی۔

خود حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ محترمہ فرمایا کرتی تھیں کہ ساری عمر حضرت نے مجھے کسی کام کے کرنے کا حکم نہیں دیا، مثلاً کبھی یہ نہیں کہا کہ پانی پلادو، یا یہ کام کردو، بلکہ میں نے اپنے شوق سے کوئی کام کرلیا تو کرلیا یہ اہتمام کہ کبھی بیوی سے لہجہ بدل کر بات نہ کروں، یہ اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک دل میں خدا کے خوف کا پہرا نہ ہو، تقویٰ کا پہرا نہ ہو، اس لئے کہ یہ کام نہ تو پولیس کرا سکتی ہے، اور نہ عدالت کرا سکتی ہے۔

بیوی کا ہاتھ کون روک سکتا ہے؟

اسی طرح اگر بیوی شوہر کو تکلیف پہنچانے پر اتر آئے تو کوئی اس کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں، کوئی عدالت کوئی پولیس اس کو نہیں روک سکتی۔ بس ایک چیز بیوی کو اس چیز سے روک سکتی ہے۔ وہ ہے تقویٰ اور اللہ تعالیٰ کا خوف۔ اس لئے اس نازک موقع پر جب زندگی کا دوراہا شروع ہو رہا ہے، اس وقت جو خطبہ مسنون قرار دیا، اس میں ایسی آیات کا انتخاب فرمایا جن میں اس بات کی تاکید فرمائی کہ تقویٰ اختیار کرو، اور اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں پیدا کرو اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا احساس دل میں پیدا کرو، اس کے ذریعہ ہی تم ایک دوسرے کے حقوق ادا کرسکو گے، اس کے بغیر ایک دوسرے کے حقوق ادا نہیں ہوسکتے۔

ہر کام کی درستی ''تقویٰ'' میں ہے

سچی بات یہ ہے کہ ''تقویٰ'' کے بغیر اور اللہ کے خوف کی بغیر دنیا کا کوئی

کام صحیح نہیں ہوسکتا۔ خاص طور پر نکاح کے معاملات اور میاں بیوی کے باہمی حقوق تقویٰ کے بغیر درست نہیں ہو سکتے۔ اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ پر انسان کی نگاہ ہو، اور اتباع سنت کا جذبہ دل میں ہو، اور اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں ہو، اور آخرت میں جواب دہی کا احساس دل میں ہو، تب ایک دوسرے کے حقوق ادا ہو سکتے ہیں۔ اسی لئے فرمایا کہ رشتہ داریوں کے حقوق ادا کرتے ہوئے اللہ سے ڈرو۔ ان میں سے ہر ہر چیز کے بارے میں وہاں پر تم سے سوال ہوگا کہ تم نے کس کے ساتھ کس قسم کا معاملہ کیا تھا۔

نکاح کرنا سنت ہے

نکاح کے خطبہ میں ان آیات کے علاوہ کچھ احادیث بھی تلاوت کی جاتی ہیں، چنانچہ میں نے ایک حدیث یہ تلاوت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"النکاح من سنتی"

(ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب ماجاء فی فضل النکاح)

یعنی نکاح میری سنت ہے، اس کے ذریعہ اس بات کی طرف اشارہ فرما دیا کہ یہ محض دنیا داری کا کام نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ثواب کا کام بنایا ہے۔ اسی سے یہ بات نکلتی ہے کہ دنیا کے تمام کام جن کو ہم دنیا سمجھتے ہیں، اگر ذرا سی نیت بدل لو، ذرا سا زاویہ نگاہ بدل لو، اور اس کا طریقہ کار بدل لو تو حقیقت میں یہ سب دین ہیں۔ چنانچہ یہ نکاح بھی دین ہے بیع وشراء

بھی دین ہے یہ تجارت بھی دین ہے، یہ زراعت بھی دین۔ یہ ملازمت بھی دین، بیوی بچوں کے ساتھ ہنسا بولنا بھی دین ہے، بس شرط یہ ہے کہ ان سب کاموں میں تمہاری نیت اللہ کو راضی کرنا ہو، اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کی نیت ہو تو پھر کھانا پینا، تجارت وصنعت سب دین بن جاتی ہے۔

نکاح خاندانوں کو جوڑنے کا ذریعہ

دوسری حدیث یہ تلاوت کی تھی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:

"لَمْ تَرَ لِلْمُتَحَابَّيْنِ مِثْلُ النِّكَاحِ"

(مصنف ابن ابی شیبة، ج۴ص ۱۲۸)

یعنی اگر دو خاندانوں میں آپس میں محبت ہے، تو اس محبت کو پختہ کرنے والی نکاح سے زیادہ موثر کوئی چیز نہیں۔ لہٰذا اگر دو خاندانوں میں آپس میں محبت ہے تو اس محبت کو پائیدار کرنے کیلئے ان خاندانوں کے بعض افراد کے درمیان آپس میں رشتہ قائم ہو جائے تو اس محبت کو مزید تقویت حاصل ہو جاتی ہے، اور اللہ تعالیٰ اس محبت میں مزید برکت عطا فرماتے ہیں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ دونوں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہوں، اور دونوں ایک دوسرے کے حقوق کی رعایت کرنے والے ہوں۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا متعدد نکاح کرنے کا بہت بڑا سبب یہ تھا کہ بہت سے قبائل سے تعلقات قائم کرنے منظور تھے، اس لئے آپ نے ان قبائل کی خواتین سے

نکاح فرمایا۔ اس زمانے میں بھی اس کا رواج تھا کہ جن کے درمیان باہمی قریبی تعلقات ہوتے اس تعلق کو نکاح کے ذریعہ مزید پختہ بنادیا جاتا تھا۔

دنیا کی بہترین چیز ''نیک خاتون''

تیسری حدیث جو میں نے تلاوت کی اس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

"الدنیا کلھا متاع، وخیر متاع الدنیا المرأۃ الصالحۃ"

(مسلم شریف، کتاب الرضاع، باب خیر متاع الدنیا المرأۃ الصالحۃ"

یعنی یہ ساری دنیا متاع ہے، نفع اٹھانے کی چیز ہے، کیونکہ یہ دنیا اللہ تعالٰی نے انسان کے نفع اٹھانے کیلئے بنائی ہے، تاکہ انسان اس سے جائز طریقے سے نفع اندوز ہو۔ اور دنیا کے اندر سب سے بہتر نفع اٹھانے کی چیز نیک خاتون ہے، نیک خاتون کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے بڑی نعمت قرار دیا۔

دنیا کی جنت

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ دنیا کی جنت یہ ہے زوجین ایک ہوں، اور نیک ہوں۔ یعنی اگر دو باتیں جمع ہوجائیں کہ دونوں کے درمیان اتحاد اور محبت بھی ہو، اور دونوں نیک بھی ہوں تو یہ دنیا کی جنت ہے۔ اگر ان میں سے ایک چیز بھی مفقود ہوجائے تو دنیا میں جہنم ہے۔ اس لئے کہ اس صورت میں دنیا بے کیف اور بے مزہ

ہو جاتی ہے، اور اس میں کدورت پیدا ہو جاتی ہے۔

تین چیزوں کا حصول نیک بختی کی علامت

اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تین چیزیں انسان کو دنیا میں حاصل ہو جائیں تو اس کی سعادت کا حصہ ہے، اس کی نیک بختی کی علامت ہے۔ (۱) ایک کشادہ گھر، (۲) دوسرے امرأة الصالحة، نیک خاتون، (۳) تیسرے شگوار سواری۔ اگر یہی تین چیزیں خراب ہو جائیں تو پھر یہ شؤم ہیں، یعنی پوری زندگی کیلئے نحوست اور وبال ہے۔ اس حدیث کے ذریعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرف اشارہ فرمایا کہ شوہر کو بیوی کا انتخاب کرتے ہوئے اور بیوی کو شوہر کا انتخاب کرتے ہوئے یہ بات بدنظر رکھنی چاہئے کہ اس میں خدا کا خوف کتنا ہے، اور دین پر چلنے کا جذبہ کتنا ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر نکاح کے فوائد حاصل نہیں ہوتے۔

برکت والا نکاح

چوتھی حدیث یہ تلاوت کی تھی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"أعظم النكاح بركةً أيسره مؤنةً"

(مسند احمد ج۶ ص۸۲)

یعنی سب سے زیادہ برکت والا نکاح وہ ہے جس میں محنت اور مشقت

اور خرچ کم ہو۔ نکاح جتنی سادگی سے کیا جائے گا، اتنی زیادہ اس کی برکتیں حاصل ہوں گی۔

بہرحال، نکاح کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات ہیں، اگر حقیقت میں ان پہ عمل ہو جائے تو دین و دنیا کی صلاح وفلاح حاصل ہو جائے۔ آج ہمارے معاشرے میں چاروں طرف جو خرابیاں پھیلی ہوئی ہیں، اور جو فساد پھیل رہا ہے، اس کی بنیادی وجہ ان ارشادات سے غفلت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان ارشادات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

طنز اور طعنہ سے بچئیے

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب

محمد عبد اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقامِ خطاب ــــ جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب ــــ بعد عصر تا مغرب

تعداد صفحات ــــ ۳۵

جلد نمبر ــــ ۱۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

طنز اور طعنہ سے بچیے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِىَ لَهٗ وَأَشْهَدُاَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُاَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا ـ

أَمَّا بَعْدُ!

عن ابن مسعود رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم : لیس المؤمن بالطعّان ولا باللعّان ولا الفاحِش ولاالبذی۔

حقیقی آفت اور مصیبت

پچھلے چند جمعوں سے زبان کے گناہوں کا بیان چل رہا ہے، زبان کے اِن گناہوں کو صوفیاء کرام "آفاتِ لسانی" سے تعبیر کرتے ہیں، یعنی زبان کی آفتیں۔ "آفت" کے معنی ہیں **"مصیبت"** ہم اور آپ ظاہری اعتبار سے مصیبت اس کو سمجھتے ہیں جیسے کوئی بیماری آجائے، یا جان یا مال کو نقصان پہنچ جائے، یا اور کوئی دنیاوی ضرر لاحق ہو جائے، تو ہم اس کو آفت اور مصیبت سمجھتے ہیں۔ لیکن جن اللہ کے بندوں کو اللہ تعالیٰ حقیقت شناس نگاہ عطا فرماتے ہیں، وہ یہ فرماتے ہیں کہ **حقیقی آفت** وہ ہے جس کے ذریعے انسان کے دین کو ضرر لاحق ہو جائے۔

دنیا غم اور خوشی سے مرکب ہے

اگر کسی کو کوئی دنیاوی ضرر لاحق ہو گیا تو وہ اتنا تشویش ناک نہیں، کیونکہ دنیا میں دونوں چیزیں ساتھ ساتھ چلتی ہیں، کبھی فائدہ اور کبھی نقصان، کبھی خوشی اور کبھی غم، نہ تو دنیا کا غم پائیدار ہے اور نہ خوشی پائیدار

ہے۔ اگر کسی کو کوئی غم یا پریشانی آئی ہے تو وہ انشاء اللہ چند دنوں کے بعد رفع ہو جائے گی اور انسان اس تکلیف اور غم کو بھول جائے گا، لیکن خدا نہ کرے اگر دین کو کوئی مصیبت لاحق ہو جائے تو یہ ناقابلِ تلافی ہے۔

ہمارے دین پر مصیبت واقع نہ ہو

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کیا کیا عجیب وغریب دعائیں تلقین فرمائی ہیں، آدمی اس کے ایک ایک لفظ پر قربان ہو جائے۔ چنانچہ ایک دعا کے اندر آپ ﷺ نے فرمایا:

اَللّٰھم لا تجعل مصیبتنا فی دیننا۔

اے اللہ! کوئی مصیبت ہمارے دین پر واقع نہ ہو۔

اس لئے کہ جب انسان اس دنیا مس آیا ہے تو اس کو کسی نہ کسی مصیبت سے سابقہ پیش آنا ہی ہے، کوئی بڑے سے بڑا بادشاہ ہو یا مال دار ہو یا صاحب اقتدار ہو، کوئی بھی ایسا نہیں ملے گا جس کو کوئی نہ کوئی مصیبت پیش نہ آئی ہو، اس دنیا میں مصیبت تو ضرور پیش آئے گی، لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرمارہے ہیں کہ اے اللہ! جو مصیبت پیش آئے وہ دنیا کی مصیبت ہو، دین کی مصیبت پیش نہ آئے۔ پھر آگے ارشاد فرمایا:

ہماری سوچ اور علم کا محور دنیا کو نہ بنا

ولا تجعل الدنیا اکبر ھمنا ولا مبلغ علمنا ولا

غاية رغبتنا۔

اے اللہ! ہماری ساری سوچ بچار دنیا ہی کے بارے میں
نہ بنائیے کہ ہر وقت دنیا ہی کے بارے میں سوچتے رہیں
اور آخرت کا کچھ خیال نہ ہو۔ اور اے اللہ! نہ اس دنیا کو
ایسا بنائیے کہ ہمارا سارا علم اس دنیا ہی کے بارے میں
ہو اور دین کے بارے میں ہمیں کچھ علم نہ ہو۔ اور نہ
ہماری ساری خواہشات کا مرکز اس دنیا کو بنائیے کہ
ہماری ساری خواہشات اور ہماری ساری امنگیں اس دنیا
ہی سے متعلق ہوں اور آخرت کے بارے میں ہمارے
دل میں کوئی خواہش اور امنگ نہ ہو۔

تمام گناہ آفات ہیں

لہٰذا حقیقی مصیبت وہ ہے جو انسان کے دین کو لاحق ہو۔ اور جتنے بھی
گناہ ہیں وہ حقیقت میں آفت اور مصیبت ہیں، اگرچہ ظاہری اعتبار سے اس
گناہ کے کرنے میں لذت آتی ہے، لیکن حقیقت میں وہ لذت دنیا میں بھی
تباہی لانے والی ہے اور آخرت میں بھی تباہی لانے والی ہے۔ اس وجہ سے
صوفیاء کرام گناہوں کو "آفات" سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ سب آفتیں
ہیں۔ اور زبان کے گناہوں کو "آفات اللسان" کہتے ہیں، یعنی زبان پر آنے
والی آفتیں اور مصیبتیں، جن کے ذریعہ انسان مصیبت کا شکار ہوتا ہے۔ ان

آفتوں میں سے ایک آفت یعنی "غیبت" کا بیان ہوچکا۔

ایک مؤمن یہ چار کام نہیں کرتا

جو حدیث میں نے تلاوت کی ہے، اس حدیث میں بعض دوسری آفتوں کو بیان فرمایا ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مؤمن طعنہ دینے والا نہیں ہوتا، لعنت کرنے والا نہیں ہوتا، فحش کلامی کرنے والا نہیں ہوتا اور بدکلامی کرنے والا نہیں ہوتا۔ یعنی مؤمن کا کام یہ ہے کہ اس کی زبان سے کوئی ایسا لفظ نہ نکلے جو طعنہ میں شامل ہو یا لعنت میں شامل ہو یا فحاشی میں شامل ہو یا بدگوئی میں شامل ہو۔ اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چار چیزیں بیان فرمائیں، ان چاروں چیزوں کا تعلق انسان کی زبان سے ہے۔

طعنہ کیا چیز ہے؟

اس حدیث میں پہلی چیز یہ بیان فرمائی کہ "مؤمن طعنہ دینے والا نہیں ہوتا" طعنہ دینا یہ ہے کہ کسی شخص کے منہ پر لپیٹ کر ایسی بات کرنا جس سے اس کی دل آزاری ہو۔ دیکھئے! ایک صورت یہ ہے کہ انسان دوسرے کو براہ راست یہ کہدے کہ تمہارے اندر یہ برائی ہے، لیکن "طعنہ" اسے کہتے ہیں کہ گفتگو کسی اور موضوع پر ہو رہی ہے، مگر درمیان

میں آپ نے ایک فقرہ اور ایک لفظ بول دیا، اور اس لفظ کو بولنے سے اس شخص پر طنز کرنا اور طعنہ دینا اور اعتراض کرنا مقصود تھا اور اس "طنز اور طعنہ" کے نتیجے میں اس کی دل آزاری ہوئی، یہ "طنز اور طعنہ" بہت سخت گناہ ہے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہاں تک فرمادیا کہ مؤمن کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ دوسرے کو طعنہ دے۔

زبان سے دل زخمی ہو جاتے ہیں

عربی زبان میں "طعنہ" کے معنی ہے "کسی کو نیزہ مارنا" اس لفظ کے اندر اس طرف اشارہ ہے کہ "طعنہ دینا" ایسا ہے جیسے دوسرے کو نیزہ مارنا۔ عربی کا ایک مشہور شعر ہے ؎

جراحات السنانِ لها التیام

ولا یلتام ماجرح اللسان

یعنی نیزے کے زخم تو بھر جاتے ہیں، لیکن زبان کے لگائے ہوئے زخم نہیں بھرتے۔

اس لئے کہ جب دوسرے کے لئے "طعنہ" کا کوئی لفظ بولا، اور اس سے اس کا دل ٹوٹا، اور اس کی دل آزاری ہوئی تو دل آزاری کا زخم نہیں بھرتا، انسان ایک مدت تک یہ بات نہیں بھولتا کہ اس نے فلاں وقت مجھے اس طرح طعنہ دیا تھا۔ لہٰذا یہ طنز کرنا، دوسرے پر اعتراض کرنا اور طعنہ دینے کے انداز میں بات کرنا یہ دوسرے کی دل آزاری ہے اور اس کی آبرو

پر حملہ ہے، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ عمل انسان کے ایمان کے منافی ہے۔

مؤمن کے جان و مال اور عزت کی حرمت

ایک مسلمان کی جان، اس کا مال، اس کی آبرو، یہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اتنی حرمت بیان فرمائی ہے جس کا ہم اور آپ اندازہ نہیں کر سکتے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے پوچھا کہ یہ دن جس میں تم سے گفتگو کر رہا ہوں، کونسا دن ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! یہ عرفہ کا دن ہے، آپ ﷺ نے دوسرا سوال کیا کہ یہ جگہ جہاں میں کھڑا ہوں، یہ کونسی جگہ ہے؟ صحابہؓ نے فرمایا کہ یہ حرم کا علاقہ ہے۔ آپ ﷺ نے پھر تیسرا سوال کیا کہ یہ مہینہ جس میں میں خطاب کر رہا ہوں، یہ کونسا مہینہ ہے؟ صحابہؓ نے فرمایا کہ یہ ذی الحجہ کا مقدس اور حرمت والا مہینہ ہے۔ پھر فرمایا کہ اے مسلمانو! تمہاری جانیں، تمہارے مال، تمہاری آبروئیں ایک دوسرے پر ایسی ہی حرام ہیں جیسے آج کا یہ دن، آج کی یہ جگہ اور آج کا یہ مہینہ حرام ہے، یعنی جو حرمت اللہ تعالیٰ نے اس مکان مقدس کو اور اس وقت مقدس کو عطا فرمائی ہے، وہی حرمت ایک مؤمن کے جان و مال اور آبرو کی ہے۔

ایسا شخص کعبہ کو ڈھانے والا ہے

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کا طواف فرما رہے تھے، طواف کرتے ہوئے آپ ﷺ نے "کعبہ" سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے بیت اللہ! تو کتنی حرمت والا ہے، کتنے تقدس والا ہے، تو کتنا عظیم الشان ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا کہ اے عبداللہ! کیا دنیا میں کوئی چیز ہے جس کی حرمت اور جس کا تقدس بیت اللہ سے زیادہ ہو؟ میں نے عرض کیا کہ "اللّٰہ و رسولہ اعلم" صحابہ کرامؓ کا یہ متعین جواب تھا کہ اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ جانتے ہیں، مجھے نہیں معلوم کہ کونسی چیز اس سے زیادہ حرمت والی ہے۔ پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں تمہیں ایک چیز بتاتا ہوں جس کی حرمت اس بیت اللہ کی حرمت سے بھی زیادہ ہے، وہ ہے ایک مسلمان کی جان، اس کا مال، اس کی آبرو، اگر ان میں سے کسی چیز کو کوئی شخص ناحق نقصان پہنچاتا ہے تو وہ شخص کعبہ کو ڈھانے والے کی طرح ہے۔

مؤمن کا دل تجلّی گاہ ہے

کسی کو طعنہ دینا، دراصل اس کی آبرو پر حملہ کرنا اور اس کی دل آزاری کرنا ہے۔ ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا

کرتے تھے کہ مؤمن کا دل تو اللہ تعالیٰ نے ایک ہی کام کے لئے بنایا ہے، وہ یہ کہ مؤمن کا دل صرف اللہ رب العالمین کی جلوہ گاہ ہو، اس دل میں ان کا ذکر اور ان کی یاد ہو، ان کی فکر ہو، ان کی محبّت ہو، یہاں تک کہ بعض صوفیاء کرامؒ نے یہ فرمادیا کہ مؤمن کا دل "عرش الٰہی" ہے، یعنی مؤمن کا دل اللہ تعالیٰ کی محبّت کی فرودگاہ ہے، یہ دل اللہ تعالیٰ کی "تجلّی گاہ" ہے، چاہے انسان کتنا ہی برا ہو جائے، لیکن اگر اس کے دل میں ایمان ہے تو کسی نہ کسی وقت اس میں اللہ کی محبّت ضرور اترے گی۔ انشاء اللہ! اور جب یہ دل اللہ تعالیٰ نے اپنی محبّت کے لئے بنایا ہے تو ایک مؤمن کے دل کو توڑنا، درحقیقت اللہ جلّ شانہ کی جلوہ گاہ پر العیاذ باللہ حملہ کرنا ہے۔ اس لئے فرمایا کہ تمہیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ تم کسی دوسرے مسلمان کا دل توڑو۔

مسلمان کا دل رکھنا موجب ثواب ہے

اگر تم نے کسی کا دل رکھ لیا، اس کو تسلّی دیدی، یا کوئی ایسا کلمہ کہدیا جس سے اس کا دل خوش ہوگیا، تو یہ عمل تمہارے لئے بہت بڑے اجر و ثواب کا موجب ہے۔ اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

دل بدست آور کہ حج اکبر است

یعنی کسی مسلمان کے دل کو تھامنا، یہ حج اکبر کا ثواب رکھتا ہے، اور طعنہ دینا دوسرے کا دل توڑنا ہے، اور یہ گناہ کبیرہ ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب

بعض لوگوں کے دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک طرف تو یہ کہا جارہا ہے کہ امر بالمعروف کرو اور نہی عن المنکر کرو، یعنی لوگوں کو اچھائی کی دعوت دو اور اگر کوئی غلط کام میں مبتلا ہے تو اس کو بتادو اور اس کو روک دو۔ اور دوسری طرف۔ یہ کہا جارہا ہے کہ دوسرے مسلمان کا دل مت توڑو۔ اب دونوں کے درمیان تطبیق کس طرح کی جائے گی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں کے درمیان تطبیق اس طرح ہو گی کہ جب دوسرے شخص سے کوئی بات کہو تو خیر خواہی سے کہو، تنہائی میں کہو، نرمی سے کہو، محبّت سے کہو اور اس انداز میں کہو کہ جس سے اس کا دل کم سے کم ٹوٹے۔ مثلاً تنہائی میں اس سے کہے کہ بھائی! تمہارے اندر یہ بات قابل اصلاح ہے، تم اس کی اصلاح کرلو۔ لیکن طعنہ کے انداز میں کہنا یا لوگوں کے سامنے سر بازار اس کو رسوا کرنا، یہ چیز انسان کے دل میں گھاؤ ڈال دیتی ہے، اس لئے حرام اور گناہ ہے۔

ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے لئے آئینہ ہے

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

المؤمن مرآة المؤمن۔

ایک مؤمن دوسرے مؤمن کا آئینہ ہے۔ یعنی جس طرح اگر کوئی

شخص اپنا چہرہ آئینہ میں دیکھ لے تو چہرہ میں کوئی عیب یا داغ دھبّہ ہو تا ہے وہ نظر آ جاتا ہے اور انسان اس کی اصلاح کر لیتا ہے، اسی طرح ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے سامنے آنے کے بعد اس کو بتا دیتا ہے کہ تمہارے اندر فلاں بات ہے اس کو درست کر لو۔ یہ حدیث کا مضمون ہے۔

آئینہ سے تشبیہ دینے کی وجہ

یہ حدیث ہم نے بھی پڑھی ہے اور آپ حضرات نے بھی اس کو پڑھا اور سنا ہو گا، لیکن جس شخص کو اللہ تعالیٰ علم حقیقی عطا فرماتے ہیں، ان کی نگاہ بہت دور تک پہنچتی ہے۔ حکیم الامّت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤمن کو آئینہ سے تشبیہ دی ہے، لوگ اتنا تو جانتے ہیں کہ آئینہ کے ساتھ یہ تشبیہ اس وجہ سے دی ہے کہ جس طرح آئینہ چہرے اور جسم کے عیوب بتا دیتا ہے، اسی طرح مؤمن بھی دوسرے مؤمن کے عیوب بتا دیتا ہے۔ لیکن آئینہ کے ساتھ تشبیہہ دینے میں ایک اور وجہ بھی ہے، وہ یہ کہ آئینہ کا یہ کام ہے کہ وہ آئینہ عیب اور بُرائی صرف اس کو بتاتا ہے جس کے اندر وہ عیب ہو تا ہے اور جو اس سامنے کھڑا ہے، لیکن دوسرا شخص جو دور کھڑا ہے، اس کو نہیں بتاتا کہ دیکھو اس کے اندر یہ عیب ہے۔ اسی طرح مؤمن کا کام یہ ہے کہ جس کے اندر کمزوری یا نقص یا عیب ہے، اس کو تو محبّت اور پیار سے بتا

دے کہ تمہارے اندر یہ نقص اور کمزوری ہے، لیکن دوسرے کو بتاتا اور گاتا نہ پھرے کہ فلاں کے اندر فلاں عیب ہے اور فلاں نقص ہے۔ لہٰذا دوسروں کو ذلیل کرنا، رسوا کرنا، اس کی برائیاں بیان کرنا مؤمن کا کام نہیں۔

غلطی بتائے، ذلیل نہ کرے

لہٰذا اس ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں باتیں بیان فرمادیں: ایک یہ کہ مؤمن کا کام یہ بھی ہے کہ اگر وہ دوسرے مؤمن کے اندر کوئی غلطی دیکھ رہا ہے تو اس کو بتائے۔ دسرے یہ کہ اس کو دوسروں کے سامنے ذلیل اور رسوا نہ کرے، اس کا عیب دوسروں کو نہ بتائے۔

"طنز" ایک فن بن گیا ہے

آج ہمارے معاشرے میں طعنہ دینے کا رواج پڑ گیا ہے، اب تو "طنز" باقاعدہ ایک فن بن گیا ہے اور اس کو ایک ہنر سمجھا جاتا ہے کہ کس خوبصورتی کے ساتھ بات لپیٹ کر کہدی گئی، اس سے بحث نہیں کہ اس کے ذریعہ دوسرے کا دل ٹوٹا یا دل آزاری ہوئی۔

انبیاءؑ طنز اور طعنہ نہیں دیتے تھے

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث فرمائے، اور یہ سب اللہ کے دین کی دعوت لے کر آئے، کسی نبی کی زندگی میں کوئی ایک مثال ایسی نہیں ملے گی کہ کسی نبی نے اپنے مخالف کو یا کسی کافر کو طعنہ دیا ہو، یا طنز کیا ہو، بلکہ جو بات وہ دوسروں سے کہتے تھے، وہ محبّت اور خیر خواہی سے کہتے تھے، تاکہ اس کے ذریعہ دوسرے کی اصلاح ہو۔ آج کل تو طعنہ دینے اور طنز نگاری کا ایک سلسلہ چلا ہوا ہے۔

جب آدمی کو ادبیت اور مضمون نگاری کا شوق ہوتا ہے یا تقریر میں آدمی کو دلچسپی پیدا کرنے کا شوق ہوتا ہے تو پھر اس مضمون نگاری میں اور اس تقریر میں طنز اور طعن و تشنیع بھی اس کا ایک لازمی حصّہ بن جاتا ہے۔

میرا ایک واقعہ

چنانچہ آج سے تقریباً تیس پینتیس سال پہلے کی بات ہے، میں اس وقت دارالعلوم کراچی سے نیا نیا فارغ ہوا تھا، اس وقت ایوب خان صاحب مرحوم کے دور میں جو عائلی قوانین نافذ ہوئے تھے، ان کے خلاف میں نے ایک کتاب لکھی، جن لوگوں نے ان قوانین کی حمایت کی تھی، ان کا ذکر کرتے ہوئے اور ان کے دلائل کا جواب دیتے ہوئے اس کتاب میں جگہ جگہ طنز کا انداز اختیار کیا تھا، اس وقت چونکہ مضمون نگاری کا شوق تھا، اس

شوق میں بہت سے طنزیہ جملے اور طنزیہ فقرے لکھے، اور اس پر بڑی خوشی ہوتی تھی کہ یہ بڑا اچھا جملہ چست کر دیا۔ جب وہ کتاب مکمل ہو گئی تو میں نے وہ کتاب حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کو سنائی، تقریباً دو سو صفحات کی کتاب تھی۔

یہ کتاب کس مقصد سے لکھی ہے؟

جب والد صاحبؒ پوری کتاب سن چکے تو فرمایا یہ بتاؤ کہ تم نے یہ کتاب کس مقصد کے لئے لکھی ہے؟ اگر اس مقصد سے لکھی ہے کہ جو لوگ پہلے سے تمہارے ہم خیال ہیں وہ تمہاری اس کتاب کی تعریف کریں کہ واہ واہ کیسا دندان شکن جواب دیا ہے، اور یہ تعریف کریں کہ مضمون نگاری کے اعتبار سے اور انشاء اور بلاغت کے اعتبار سے بہت اعلیٰ درجے کی کتاب لکھی ہے، اگر اس کتاب کے لکھنے کا یہ منشاء ہے تو تمہاری یہ کتاب بہترین ہے۔

لیکن اس صورت میں یہ دیکھ لیں کہ اس کتاب کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیا قیمت ہو گی؟ اور اگر کتاب لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ جو آدمی غلطی پر ہے، اس کتاب کے پڑھنے سے اس کی اصلاح ہو جائے، تو یاد رکھو! تمہاری اس کتاب کے پڑھنے سے ایسے آدمی کی اصلاح نہیں ہو گی، بلکہ اس کتاب کو پڑھنے سے اس کے دل میں اور ضد پیدا ہو گی۔ دیکھو! حضرات انبیاء علیہم السلام دنیا میں تشریف لائے، انہوں نے دین کی دعوت دی اور کفر اور

شرک کا مقابلہ کیا، لیکن ان میں سے ایک نبی بھی ایسا نہیں ملے گا جس نے طنز کا راستہ اختیار کیا ہو۔ لہٰذا یہ دیکھ لو کہ یہ کتاب اللہ کے واسطے لکھی ہے یا مخلوق کے واسطے لکھی ہے، اگر اللہ کے واسطے لکھی ہے تو پھر اس کتاب سے اس طنز کو نکالنا ہوگا، اور اس کا طرز تحریر بدلنا ہوگا۔

یہ انبیاءؑ کا طریقہ نہیں ہے

مجھے یاد ہے کہ جب والد صاحبؒ نے یہ بات ارشاد فرمائی تو ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے سر پر پہاڑ توڑ دیا، کیونکہ دو سو ڈھائی سو صفحات کی کتاب لکھنے کے بعد اس کو از سر نو ادھیڑنا بڑا بھاری معلوم ہوتا ہے، خاص طور پر اس وقت جب کہ مضمون نگاری کا بھی شوق تھا اور اس کتاب میں بڑے مزیدار فقرے بھی تھے، ان فقروں کو نکالتے بھی دل کٹتا تھا، لیکن یہ حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کا فیض تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی توفیق عطا فرمائی اور میں نے پھر پوری کتاب کو ادھیڑا اور از سر نو اس کو لکھا۔ پھر الحمد للہ وہ کتاب "ہمارے عائلی قوانین" کے نام سے چھپی۔ لیکن وہ دن ہے اور آج کا دن ہے، الحمد للہ یہ بات دل میں بیٹھ گئی کہ ایک داعی حق کے لئے طنز کا طریقہ اور طعنہ دینے کا طریقہ اختیار کرنا درست نہیں، یہ انبیاء علیہم السلام کا طریقہ نہیں ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی ہدایت

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پاس بھیج رہے تھے کہ جاؤ اس کو جاکر ہدایت کرو اور اس کو دعوت دو، تو اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو یہ ہدایت دی جارہی تھی کہ:

فَقُوْلَا لَهُ قَوْلاً لَّيِّناً لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى۔

(سورۂ طٰہٰ: آیت ۴۴)

یعنی فرعون کے پاس تم دونوں نرمی سے بات کرنا، شاید وہ نصیحت حاصل کرے یا ڈر جائے۔ حضرت والد صاحب یہ بات بیان کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ آج تم حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑے مصلح نہیں ہوسکتے، اور تمہارا مخاطب فرعون سے بڑا گمراہ نہیں ہوسکتا۔ وہ فرعون جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ وہ ایمان نہیں لائے گا، کفر ہی پر مرے گا، لیکن اس کے باوجود یہ کہا جارہا ہے کہ اس سے جاکر نرمی سے بات کرنا، تو جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نرمی سے بات کرنے کو کہا جارہا ہے تو ہما شما کس قطار میں ہیں۔

حق بات کوئی لٹھ نہیں ہے

آج ایک طرف تو یہ فکر ہی کسی کو نہیں ہوتی کہ دین کی بات کسی کو

سکھائی جائے، یا کسی کو "نہی عن المنکر" کیا جائے، اور اگر کسی کے دل میں یہ بات آگئی کہ حق بات دوسروں کو بتانی ہے، تو وہ اس کو اس طرح بتاتا ہے جیسے کہ وہ حق بات ایک لٹھ ہے جو اس نے جس طرح دل چاہا اٹھا کر مار دیا، یا جیسے وہ ایک پتھر ہے جو کھینچ کر اس کو مار دیا۔

حضرات انبیاءؑ کے انداز جواب

حضرات انبیاء علیہم السلام کا طریقہ یہ ہے کہ وہ دعوت دینے کے وقت طعنہ نہیں دیتے، حتیٰ کہ اگر کوئی سامنے والا شخص طعنہ بھی دے تو جواب میں یہ حضرات طعنہ نہیں دیتے۔

غالباً حضرت ھود علیہ السلام کی قوم کا واقعہ ہے کہ ان کی قوم نے ان سے کہا کہ:

اِنَّا لَنَرٰكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ

نبی سے کہا جا رہا ہے کہ ہمارا یہ خیال ہے کہ تم انتہا درجے کے بیوقوف ہو، احمق ہو، اور ہم تمہیں کاذبین میں سے سمجھتے ہیں، تم جھوٹے معلوم ہوتے ہو۔ وہ انبیاء علیہم السلام جن پر حکمت اور صدق قربان ہیں، ان کے بارے میں یہ الفاظ کہے جا رہے ہیں، لیکن دوسری طرف جواب میں پیغمبر فرماتے ہیں:

يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

اے قوم! میں بیوقوف نہیں ہوں، بلکہ میں اللہ رب العالمین کی طرف سے ایک پیغام لے کر آیا ہوں۔

ایک اور پیغمبر سے کہا جارہا ہے کہ :

اِنَّا لَنَرٰكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۔

ہم تمہیں دیکھ رہے ہیں کہ تم گمراہی میں پڑے ہوئے ہو۔

جواب میں پیغمبر فرماتے ہیں:

یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

اے قوم! میں گمراہ نہیں ہوں، بلکہ میں اللہ رب العالمین کی طرف سے پیغمبر بن کر آیا ہوں۔

آپ نے دیکھا کہ پیغمبر نے طعنہ کا جواب طعنہ سے نہیں دیا۔

حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کا واقعہ

میں نے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ سنا۔ ایسی بزرگ ہستی کہ ماضی قریب میں اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ شاہی خاندان کے شہزادے تھے، اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کے لئے نکل پڑے اور قربانیاں دیں۔ ایک مرتبہ دھلی کی جامع مسجد میں خطاب فرمارہے تھے، خطاب کے دوران بھرے مجمع میں ایک شخص کھڑا ہوا

اور کہنے لگا کہ (العیاذ باللہ) ہم نے سنا ہے کہ آپ حرام زادے ہیں۔ اتنے بڑے عالم اور شہزادے کو ایک بڑے مجمع میں یہ گالی دی، اور وہ مجمع بھی معتقدین کا ہے۔ میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم جیسا کوئی آدمی ہوتا تو اس کو سزا دیتا، اگر وہ سزا نہ بھی دیتا تو اس کے معتقدین اس کی تکہ بوٹی کر دیتے، اور کم از کم اس کو ترکی بہ ترکی یہ جواب تو دے ہی دیتے کہ تو حرام زادہ، تیرا باپ حرام زادہ، لیکن حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ جو پیغمبرانہ دعوت کے حامل تھے، جواب میں فرمایا:

> آپ کو غلط اطلاع ملی ہے، میری والدہ کے نکاح کے گواہ تو آج بھی دِلّی میں موجود ہیں۔

اس گالی کو ایک مسئلہ بنادیا، لیکن گالی کا جواب گالی سے نہیں دیا۔

ترکی بہ ترکی جواب مت دو

لہٰذا طعنہ کا جواب طعنہ سے نہ دیا جائے۔ اگرچہ شرعاً ایک آدمی کو یہ حق حاصل ہے کہ جیسی دوسرے شخص نے تمہیں گالی دی ہے، تم بھی ویسی ہی گالی اس کو دیدو، لیکن حضرات انبیاء علیہم السلام اوران کے وارثین انتقام کا یہ حق استعمال نہیں کرتے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری زندگی یہ حق کبھی استعمال نہیں فرمایا، بلکہ ہمیشہ معاف کردینے اور درگزر کر دینے کا شیوہ رہاہے اور انبیاءؑ کے وارثین کا بھی یہی شیوہ رہاہے۔

انتقام کے بجائے معاف کردو

ارے بھائی! اگر کسی نے تمہیں گالی دیدی تو تمہارا کیا بگڑا؟ تمہاری کونسی آخرت خراب ہوئی؟ بلکہ تمہارے تو درجات میں اضافہ ہوا، اگر تم انتقام نہیں لوگے، بلکہ درگزر کردوگے اور معاف کردوگے، تو اللہ تبارک و تعالیٰ تمہیں معاف کردیں گے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص دوسرے کی غلطی کو معاف کردے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس دن معاف فرمائیں گے جس دن وہ معافی کا سب سے زیادہ محتاج ہوگا یعنی قیامت کے دن، لہٰذا انتقام لینے کی فکر چھوڑدو، معاف کردو اور درگزر کردو۔

بزرگوں کی مختلف شانیں

ایک بزرگ سے کسی نے سوال کیا کہ حضرت ہم نے سنا ہے کہ اولیاء کرام کی شانیں عجیب و غریب ہوتی ہیں، کسی کا کوئی رنگ ہے، کسی کا کوئی رنگ ہے اور کسی کی کوئی شان ہے، میرا دل چاہتا ہے کہ ان اولیاء کرام کی مختلف شانیں دیکھوں کہ وہ کیا شانیں ہوتی ہیں۔ ان بزرگ نے ان سے فرمایا کہ تم کس چکر میں پڑگئے، اولیاء اور بزرگوں کی شانیں دیکھنے کی فکر میں مت پڑو، اپنے کام میں لگو۔ ان صاحب نے اصرار کیا کہ نہیں! میں ذرا دیکھنا چاہتا ہوں کہ دنیا میں کیسے کیسے بزرگ ہوتے ہیں۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ

اگر تم دیکھنا ہی چاہتے ہو تو ایسا کرو کہ دہلی کی فلاں مسجد میں چلے جاؤ، وہاں تمہیں تین بزرگ اپنے ذکر و اذکار میں مشغول نظر آئیں گے، تم جاکر ہر ایک کی پُشت پر ایک مکّہ مار دینا، پھر دیکھنا کہ اولیاء کرام کی شانیں کیا ہوتی ہیں۔ چنانچہ وہ صاحب گئے، وہاں جاکر دیکھا تو واقعۃً تین بزرگ بیٹھے ہوئے ذکر میں مشغول ہیں، انہوں نے جاکر پہلے بزرگ کو پیچھے سے ایک مکہ مارا تو انہوں نے پلٹ کر دیکھا تک نہیں، بلکہ اپنے ذکر و اذکار میں مشغول رہے۔ جب دوسرے بزرگ کو مکہ مارا تو انہوں نے بھی پلٹ کر ان کو مکہ مار دیا اور پھر اپنے کام میں مشغول ہوگئے۔ جب تیسرے بزرگ کو مکہ مارا تو انہوں نے پلٹ کر ان کا ہاتھ سہلانا شروع کر دیا کہ آپ کو چوٹ تو نہیں لگی۔

اس کے بعد یہ صاحب ان بزرگ کے پاس واپس آئے جنہوں نے ان کو بھیجا تھا۔ ان بزرگ نے ان سے پوچھا کہ کیا ہوا؟ انہوں نے بتایا کہ بڑا عجیب قصّہ ہوا، جب میں نے پہلے بزرگ کو مارا تو انہوں نے پلٹ کر مجھے دیکھا بھی نہیں، اور دوسرے بزرگ نے پلٹ کر مجھے مکہ مار دیا، اور تیسرے بزرگ نے پلٹ کر میرا ہاتھ سہلانا شروع کر دیا۔

میں اپنا وقت بدلہ لینے میں کیوں ضائع کروں

ان بزرگ نے فرمایا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ جنہوں نے تمہیں مکہ مارا تھا، انہوں نے زبان سے کچھ کہا تھا؟ ان صاحب نے بتایا کہ زبان سے تو کچھ نہیں کہا، بس مکہ مارا اور پھر اپنے کام میں مشغول ہوگئے۔ ان بزرگ نے

فرمایا کہ اب سنو! پہلے بزرگ جنہوں نے بدلہ نہیں لیا، انہوں نے یہ سوچا کہ اگر اس نے مجھے مکہ مارا تو میرا کیا بگڑ گیا، اب میں پیچھے مڑوں، اس کو دیکھوں کہ کس نے مارا ہے اور پھر اس کا بدلہ لوں، جتنا وقت اس میں صرف ہوگا وہ وقت میں اللہ کے ذکر میں صرف کردوں۔

پہلے بزرگ کی مثال

ان پہلے بزرگ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص کو بادشاہ نے بلایا اور اس سے کہا کہ میں تمہیں ایک عالیشان انعام دوں گا۔ اب وہ شخص اس انعام کے شوق میں دوڑتا ہوا بادشاہ کے محل کی طرف جارہا ہے اور وقت کم رہ گیا ہے اور اس کو وقت پر پہنچنا ہے، راستے میں ایک شخص نے اس کو مکہ مار دیا۔ اب یہ شخص اس مکہ مارنے والے سے الجھے گا یا اپنا سفر جاری رکھے گا کہ میں جلد از جلد کسی طرح بادشاہ کے پاس پہنچ جاؤں؟ ظاہر ہے کہ اس مکہ مارنے والے سے نہیں الجھے گا، بلکہ وہ تو اس فکر میں رہے گا کہ میں کسی طرح جلد از جلد بادشاہ کے پاس پہنچ جاؤں اور جاکر اس سے انعام وصول کروں۔

دوسرے بزرگ کا انداز

دوسرے بزرگ جنہوں نے بدلہ لے لیا، انہوں نے یہ سوچا کہ شریعت نے یہ حق دیا ہے کہ جتنی زیادتی کوئی شخص تمہارے ساتھ کرے، اتنی زیادتی تم بھی اس کے ساتھ کرسکتے ہو، اس سے زیادہ نہیں کرسکتے۔

اب تم نے ان کو ایک مکہ مارا تو انہوں نے بھی تمہیں ایک مکہ مار دیا، تم نے زبان سے کچھ نہیں بولا تو انہوں نے بھی زبان سے کچھ نہیں بولا۔

بدلہ لینا بھی خیر خواہی ہے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض بزرگوں سے یہ جو منقول ہے کہ انہوں نے اپنے ساتھ ہونے والی زیادتی کا بدلہ لے لیا، یہ بدلہ لینا بھی در حقیقت اس شخص کی خیر خواہی کی وجہ سے ہوتا ہے، اس لئے کہ بعض اولیاء اللہ کا یہ حال ہوتا ہے کہ اگر کوئی انسان ان کو تکلیف پہنچائے یا ان کی شان میں کوئی گستاخی کرے اور وہ صبر کر جائیں تو ان کے صبر کے نتیجے میں یہ شخص تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔

حدیث قدسی میں اللہ جلّ شانہ فرماتے ہیں:

من عادیٰ لی ولیاً فقد آذنته بالحرب۔

جو شخص میرے کسی ولی سے دشمنی کرے، اس کے لئے
میری طرف سے اعلان جنگ ہے۔

بعض اوقات اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کے ساتھ کی ہوئی زیادتی پر ایسا عذاب نازل فرماتے ہیں کہ ایسے عذاب سے اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے، کیونکہ اس ولی کا صبر اس شخص پر واقع ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ والے بعض اوقات اپنے ساتھ کی ہوئی زیادتی کا بدلہ لے لیتے ہیں تاکہ اس کا معاملہ برابر ہو جائے، کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ کا عذاب اس پر نازل ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ کیوں بدلہ لیتے ہیں؟

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو اس بات پر اشکال ہو کہ اللہ تعالیٰ کا یہ عجیب معاملہ ہے کہ اولیاء اللہ تو اتنے شفیق ہوتے ہیں کہ وہ اپنے اوپر کی ہوئی زیادتی کا بدلہ نہیں لیتے، لیکن اللہ تعالیٰ عذاب دینے پر تلے ہوئے ہیں کہ وہ ضرور عذاب دیں گے اگر بدلہ نہ لیا جائے۔ اس کا مطلب، یہ ہوا کہ اولیاء اللہ کی شفقت اللہ تعالیٰ کی شفقت اور رحمت کے مقابلے میں زیادہ ہوگئی۔ پھر اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ بات دراصل یہ ہے کہ شیرنی کو اگر کوئی جاکر چھیڑے تو وہ شیرنی طرح دے جاتی ہے اور بدلہ نہیں لیتی اور اس پر حملہ نہیں کرتی، لیکن اگر کوئی جاکر اس شیرنی کے بچوں کو چھیڑے، تو پھر شیرنی اس کو برداشت نہیں کرتی، بلکہ چھیڑنے والے پر حملہ کر دیتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی شان میں لوگ گستاخیاں کرتے ہیں، کوئی شرک کر رہا ہے، کوئی اللہ تعالیٰ کے وجود کا انکار کر رہا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ اپنے تحمل سے اس کو درگزر فرمادیتے ہیں، لیکن اولیاء اللہ جو اللہ تعالیٰ کے پیارے ہیں، ان کی شان میں گستاخی کرنا اللہ تعالیٰ برداشت نہیں فرماتے اس لئے یہ گستاخی انسان کو تباہ کر دیتی ہے۔ لہٰذا جہاں کہیں یہ منقول ہے کہ کسی اللہ کے ولی نے بدلہ لے لیا، وہ بدلہ لینا اس کی خیر خواہی کے لئے ہوتا ہے، کیونکہ اگر بدلہ نہ لیا تو نہ معلوم اللہ تعالیٰ کا کیا عذاب اس پر نازل ہو جائے گا۔

جہاں تک تیسرے بزرگ کا تعلق ہے وجنہوں نے تمہارا ہاتھ سہلانا شروع کر دیا تھا، ان کو اللہ تعالیٰ نے خلقِ خدا پر رحمت اور شفقت کا وصف عطا فرمایا تھا، اس لئے انہوں نے پلٹ کر ہاتھ سہلانا شروع کر دیا۔

پہلے بزرگ کا طریقہ سنّت تھا

لیکن اصل طریقہ سنّت کا وہ ہے جس کو پہلے بزرگ نے اختیار فرمایا۔ اس لئے کہ اگر کسی نے تمہیں نقصان پہنچایا ہے تو میاں! کہاں تم اس سے بدلہ لینے کے چکر میں پڑ گئے، کیونکہ اگر تم بدلہ لے لو گے تو تمہیں کیا فائدہ مل جائے گا؟ بس اتنا ہی تو ہو گا کہ سینے کی آگ ٹھنڈی ہو جائے گی، لیکن اگر تم اس کو معاف کر دو گے اور درگزر کر دو گے تو سینے کی آگ کیا بلکہ جہنم کی آگ بھی ٹھنڈی ہو جائے گی، انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ جہنم کی آگ سے نجات عطا فرمائیں گے۔

معاف کرنا باعث اجر و ثواب ہے

آج کل ہمارے گھروں میں، خاندانوں میں، ملنے جلنے والوں میں، دن رات یہ مسائل پیش آتے رہتے ہیں کہ فلاں نے میرے ساتھ یہ کر دیا، فلاں نے یہ کر دیا، اب اس سے بدلہ لینے کی سوچ رہے ہیں، دوسروں سے شکایت کرتے پھر رہے ہیں، اس کو طعنہ دے رہے ہیں، اس کی دوسروں سے برائی اور غیبت کر رہے ہیں، حالانکہ یہ سب گناہ کے کام ہیں۔ لیکن اگر

تم معاف کر دو اور درگزر کر دو تو تم بڑی فضیلت اور ثواب کے مستحق بن جاؤ گے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَمَنْ صَبَرَ وَ غَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۔

(سورۃ الشوریٰ: آیت ۴۳)

جس نے صبر کیا اور معاف کر دیا بیشک یہ بڑے ہمّت کے کاموں میں سے ہے۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا کہ:

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ۔

(سورۃ حم السجدہ: آیت ۳۴)

دوسرے کی برائی کا بدلہ اچھائی سے دو، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جن کے ساتھ عداوت ہے وہ سب تمہارے گرویدہ ہو جائیں گے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ارشاد فرمادیا:

وَمَا یُلَقّٰهَاۤ اِلاَّ الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَمَا یُلَقّٰهَاۤ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ۝

(سورۃ حم السجدہ: آیت ۳۵)

یعنی یہ عمل ان ہی کو نصیب ہوتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ صبر کی توفیق عطا فرماتے ہیں، اور یہ دولت بڑے نصیب والے کو حاصل ہوتی ہے۔

طعنہ سے بچیں

بہر حال، پہلی چیز جو اس حدیث میں بیان فرمائی، وہ یہ ہے کہ مؤمن کا کام طعنہ دینا نہیں ہے، لہٰذا یہ طنز اور طعنہ جس سے دوسرے کی دل آزاری ہو، ایک مؤمن کے لئے اس سے مکمل پرہیز کرنا ضروری ہے، کیونکہ اگر طعنہ دینے کے نتیجے میں کسی کی دل آزاری ہو گئی، اور کسی کا دل ٹوٹا تو آپ کے اس عمل سے ایسے گناہ کبیرہ کا ارتکاب ہوا جو اس وقت تک معاف نہیں ہو سکتا جب تک وہ صاحب حق معاف نہ کرے، محض توبہ کر لینے سے معاف نہیں ہو گا۔ العیاذ باللہ۔ لہٰذا صبح سے شام تک کی زندگی میں ہم اپنا جائزہ لے کر دیکھیں کہ جب لوگوں کے ساتھ ہمارا واسطہ پیش آتا ہے اور ان سے شکایتیں ہوتی ہیں تو اس میں کہیں ہم سے طعنہ اور دل آزاری کا ارتکاب تو نہیں ہوتا ہے۔ اس کا خیال کرتے ہوئے انسان زندگی گزارے، جو بات بھی دوسرے سے کہنی ہے وہ نرمی سے اور شفقت سے کہدو، اگر شکایت بھی کسی سے ہوئی ہے تو اس کو تنہائی میں بلا کر کہدو کہ تم سے یہ شکایت ہے، تاکہ اس کا دل نہ ٹوٹے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ

اس حدیث میں دوسرا لفظ یہ ارشاد فرمایا: "وَلَا باللَّعَّانِ" مؤمن

لعنت کرنے والا نہیں ہوتا،یعنی لعنت کے الفاظ زبان سے نکالنا یہ مؤمن کا کام نہیں ہے۔ ایک مرتبہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے غلام پر غصّہ آگیا، ظاہر ہے کہ کسی سنگین غلطی پر ہی غصّہ آیا ہوگا، بلاوجہ تو وہ غصّہ کرنے والے نہیں تھے، اس غصّے میں کوئی لعنت کا کلمہ زبان سے نکل گیا، پیچھے سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے تھے، آپ ﷺ نے وہ لعنت کا کلمہ ان کی زبان سے سن لیا، آپ ﷺ نے وہ کلمہ سن کر ارشاد فرمایا:

لَعّانین و صدیقین کلّا وربّ الکعبة

"صدیق" بھی ہو اور لعنت بھی کرتے ہو، رب کعبہ کی قسم ایسا نہیں ہو سکتا۔

یعنی یہ دو چیزیں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں، اس لئے کہ جو "صدیق" ہو وہ لعنت کرنے والا نہیں ہوتا۔ جب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ ﷺ کی زبان مبارک سے یہ جملہ سنا کہ صدیق کا یہ کام نہیں کہ وہ لعنت کرے، لیکن چونکہ یہ غلطی ان سے ہو گئی تھی، اس لئے فوراً کہا کہ یارسول اللہ ﷺ! میں اس غلام کو آزاد کرتا ہوں۔ اس غلام کو بھی آزاد کر دیا۔

روایت میں آتا ہے کہ بعض دوسرے غلاموں کو بھی آزاد کر دیا۔ لہٰذا طعنہ اور لعنت دونوں سے بچنے کی ضرورت ہے۔

بددعا کے الفاظ

پھر لعنت کے اندر ساری بددعائیں داخل ہیں جو ہمارے معاشرے میں رائج ہیں، خاص طور پر خواتین کی زبان پر جاری رہتی ہیں۔ مثلاً کسی کو کمبخت کہہ دیا، کسی کو یہ کہدیا کہ اس نے جھاڑو پیٹا ہے، یہ سب لعنت کے اندر داخل ہیں، اور بلاوجہ زبان پر لعنت کے الفاظ جاری کرنا اپنے نامہ اعمال میں گناہوں کا اضافہ کرنا ہے۔ لہٰذا اگر کسی دوسرے پر غصہ بھی آئے تو غصے میں بھی لعنت کے الفاظ زبان سے نہ نکالے۔

یہ لعنت جائز ہے

البتہ کسی انسان کو شخصی طور پر لعنت کرنا تو حرام ہے، لیکن کسی عمل کرنے والے پر لعنت کرنا، مثلاً یہ کہنا کہ جو شخص یہ عمل کرے اس پر لعنت ہے، یا جو لوگ ایسا عمل کرنے والے ہیں ان پر لعنت ہے، یہ صورت جائز ہے۔ جیسا کہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح سے لعنت کرنا منقول ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

لَعَنَ اللّٰه آكل الربا ومؤكله۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی لعنت سود کھانے والے پر بھی ہے اور سود کھلانے والے پر بھی ہے۔ اسی طرح ایک جگہ پر آپ ﷺ نے فرمایا:

لَعَنَ اللّٰه المصوّرين

تصویر بنانے والوں پر اللہ کی لعنت ہے۔ اسی طرح اور بہت سے بُرے عمل کرنے والوں پر آپ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے، لیکن کسی آدمی کا نام لے کر شخصی طور پر لعنت کرنا حرام ہے، اس لئے کہ یہ مؤمن کا کام نہیں۔

فحش گوئی کرنا

اس حدیث شریف میں تیسری بات یہ بیان فرمائی کہ "وَلاَالْفَاحِشِ" مؤمن فحش گو نہیں ہوتا، یعنی وہ ایسی بات زبان سے نہیں نکالتا جو فحاشی کے ذیل میں آتی ہو۔ لہٰذا جہاں غصّہ کرنے کا اور بولنے کا موقع ہو وہاں بھی فحاشی سے کام نہ لیا جائے، اور بے حیائی کے کلمات زبان سے نہ نکالے جائیں، یہ مؤمن کا شیوہ نہیں ہے۔

بدگوئی کرنا

چوتھا جملہ یہ ارشاد فرمایا " وَلَا الْبَذِی "مؤمن بذی نہیں ہوتا۔ "بذی" کے معنی ہیں "بدگو" "بداخلاق" مؤمن کسی سے بات کرتے ہوئے بدگوئی سے کام لینے والا اور برے الفاظ استعمال کرنے والا نہیں ہوتا، بلکہ وہ اپنی زبان کو برے کلمات سے روکتا ہے۔

یہودیوں کی مکاّری

حضور اقدس صلی اللہ علیہ و | کے زمانے کے یہودی بڑے عیاّر

تھے، اس لئے کہ ان کی فطرت میں ہمیشہ سے عیاّری اور مکاّری ہے، جب انہوں نے یہ دیکھا کہ مسلمان جب آپس میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں: "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" تو انہوں نے یہ طریقہ نکالا کہ جب وہ کسی مسلمان سے ملتے تو "السلام علیکم" کے بجائے "السام علیکم" کہتے، درمیان سے "لام" کو گرا دیتے تھے، عربی میں السام" کے معنی ہیں "موت" لہٰذا "السام علیکم" کے معنی یہ ہوئے کہ تمہارے اوپر موت آجائے۔

ایک مرتبہ یہودیوں کی ایک جماعت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی اور کہا "السام علیکم" حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا موجود تھیں، وہ سمجھ گئیں کہ یہ "السام علیکم" کہہ کر بظاہر سلام کر رہے ہیں لیکن حقیقت میں بد دعا دے رہے ہیں۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا "علیکم السام و اللعنۃ" یعنی تمہارے اوپر موت ہو اور تم پر لعنت ہو۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ سنے تو آپ نے فرمایا۔ مهلاً یا عائشة! اے عائشہ نرمی سے کام لو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: یارسول اللہ! آپ نے نہیں سنا کہ انہوں نے کیا بد تمیزی کی ہے، انہوں نے "السام علیکم" کہہکر آپ کو بد دعا دی ہے، اس لئے میں نے اس طریقے سے اس کا جواب دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے نہیں دیکھا کہ میں نے کیا جواب دیا، میں نے تو یہ جواب دیا "وعلیکم" یعنی جو کچھ تم میرے بارے میں کہہ رہے ہو، وہ

تمہارے اوپر ہو۔

(بخاری کتاب الادب، باب الرفق فی الأمر کلہ)

نرمی زینت بخشتی ہے

دوسری روایت میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا:

ان الرفق لا یکون فی شیئی اِلّا زانه ولاینزع من شیئی اِلّا شانه۔

(مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب فضل الرفق)

نرمی جس چیز میں بھی ہوگی وہ نرمی اس کو زینت بخشے گی، اور جس چیز سے نرمی کو ختم کر دیا جائے گا وہ اس کو عیب دار بنا دے گا۔ لہٰذا اس طریقے سے جواب دے کر تم کیوں اپنی زبان خراب کرتی ہو، صرف "وعلیکم" کہنے سے زبان خرابی سے بچ جاتی ہے۔

لہٰذا جب آدمی کلام کرے، چاہے غصّے کے وقت بھی کلام کرے، اس وقت بھی بدگوئی کے الفاظ زبان پر نہ لائے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اوصاف جو پچھلی کتب سماویہ یعنی تورات اور انجیل میں بطور علامت مذکور تھے، اس میں ایک جملہ یہ بھی تھا:

وَلَا فَاحِشًا وَلَا مُتَفَحِّشًا وَلا سخاباً بالأ سواق ولکن یعفو و یصفح۔

یعنی نہ وہ فاحش ہوں گے، نہ متفحش ہوں گے، اور نہ بازاروں میں شور مچانے والے ہوں گے، لیکن وہ معافی اور درگزر سے کام لیں گے۔ اور یہ کلمات تو آج بھی "بائبل" میں موجود ہیں کہ "بازاروں میں اس کی آواز سنائی نہیں دیگی" اور وہ مسلے ہوئے سرکنڈے کو نہیں توڑے گا" اور ٹمٹماتی ہوئی بتی کو نہیں بجھائے گا" یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف ہیں۔

حضور ﷺ کی اخلاق میں بھی اتباع کریں

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع صرف ظاہری اعمال کی حد تک محدود نہیں ہے کہ مسجد میں داخل ہوتے ہوئے دایاں پاؤں پہلے داخل کر دیا اور نکلتے وقت بایاں پاؤں پہلے نکال دیا۔ بیشک یہ بھی بڑے اجر و ثواب کی سنتیں ہیں، ان پر ضرور عمل کرنا چاہئے، لیکن اتباعِ سنت ان اعمال کے ساتھ محدود نہیں، اتباع سنت کا ایک لازمی حصہ یہ بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق اور آپ ﷺ کے طریقہ کار کو اپنایا جائے۔ خاص طور پر اس وقت جب کوئی شخص دوسروں کے ساتھ معاملہ کرے تو وہ فاحش اور بذی نہ ہو، اور بدکلامی نہ کرے اور طعنہ نہ دے۔

لعنت کا وبال

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ایک اور وعید یہ بیان

فرمائی ہے کہ جب ایک انسان دوسرے پر لعنت کرتا ہے، تو پہلے وہ لعنت آسمان کی طرف جاتی ہے اور پھر وہ لعنت اس شخص کی طرف آتی ہے جس پر وہ لعنت کی گئی ہے، اگر وہ لعنت کا مستحق ہوتا ہے تو اس کو وہ لعنت لگ جاتی ہے اور اگر وہ لعنت کا مستحق نہیں ہوتا تو وہ لعنت واپس اس شخص پر جاکر لگ جاتی ہے جس نے لعنت کی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص لعنت کو غلط استعمال کرے تو اس لعنت کرنے والے کا کام تمام کر دیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہماری زبانوں کی ان تمام گناہوں سے حفاظت فرمائے جن کا ذکر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احادیث میں فرمایا ہے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

عمل کے بعد مدد آئیگی

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط وترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب ــــــ جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال۔ کراچی

وقت خطاب ــــــ بعد عصر تا مغرب

تعداد صفحات ــــــ ۲۵

جلد نمبر ــــــ ۱۱

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عمل کے بعد مدد آئیگی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَأَشْھَدُاَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَأَشْھَدُاَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔ أَمَّا بَعْدُ!

عن أبی ذر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قَالَ : قَالَ

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : يقول الله تعالىٰ من عمل حسنة فله عشر أمثالها، ومن عمل سيئة فجزاء مثلها أو اغفره ـ ومن عمل قراب الأرض خطيئة ثم لقينى لا يشرك بى شئياً جعلت له مثلها مغفرةً ، ومن اقترب إلىّ شبراً اقتربت إليه ذراعاً ـ ومن اقترب إلىّ ذراعاً اقتربت إليه باعاً ، ومن أتانى يمشى أتيته هرولة ـ

(کتاب الذھد، عبداللہ بن مبارکؒ)

نیکی اور بدی کی جزا

یہ حدیث حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اور صحابہ کرام ﷢ میں یہ درویش صفت صحابی تھے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ یہ حدیث قدسی ہے، "حدیث قدسی" اس کو کہتے ہیں کہ جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی کوئی بات نقل فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

جو شخص اس دنیا میں کوئی نیک عمل کرتا ہے تو میں اس کو اس نیک عمل پر دس گنا اجر و ثواب دیتا ہوں، اور جو

شخص برائی یا گناہ کرتا ہے تو اس کی سزا اتنی ہی دیتا ہوں جتنا اس نے ناجائز کام کیا، گناہ کی سزا دوگنی بھی نہیں کرتا، بلکہ گناہ کے برابر سزا دیتا ہوں یا معاف کر دیتا ہوں۔

ہر نیکی کا ثواب دس گنا

بہر حال! اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ تم کوئی بھی نیکی کرو تو اس کا دس گنا ثواب میرے پاس تیار ہے، اور نیکی کے اس ثواب کا وعدہ کسی مخلوق کی طرف سے نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعدہ ہے، اور اس ثواب کو کسی خاص نیکی کے ساتھ مخصوص نہیں فرمایا، بلکہ یہ فرمایا کہ وہ کسی بھی قسم کی نیکی ہو، چاہے وہ عبادت فرض ہو یا نفل ہو، یا ایک مرتبہ "سبحان اللہ" کہنا ہو، یا ایک مرتبہ "الحمد للہ" کہنا ہو، ان سب کا ثواب دس گنا دینا لازم ہے۔

رمضان اور شوال کے چھے روزوں کا ثواب

یہ شوال کا مہینہ ہے اور اس مہینے میں "شش عید" کے روزے رکھے جاتے ہیں۔ حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص رمضان کے بعد ماہ شوال میں چھے روزے رکھ لے تو اللہ تعالیٰ اس کو سارے سال روزے رکھنے کا ثواب عطا فرماتے ہیں۔ یہ سارے سال روزے رکھنے کا ثواب اسی اصول پر مبنی ہے کہ ہر نیکی کا ثواب دس گنا

دیا جائے گا، لہٰذا رمضان المبارک کے تیس روزے ہوئے، چاہے رمضان انتیس دن کا ہوا ہو، لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں تیس ہی شمار ہوتے ہیں، کیونکہ حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

شهرا عيد لاينقصان رمضان و ذى الحجة

(صحیح بخاری کتاب الصوم، باب شہرا عید الاینقصان)

یعنی عید کے دونوں مہینے کم نہیں ہوتے، اگر انتیس ہوں تب بھی تیس ہی شمار ہوتے ہیں۔ بہر حال! رمضان کے تیس روزے ہوئے اور چھے روزے شوال کے ہوئے، اس طرح کل چھتیس روزے ہوگئے، چھتیس کو دس سے ضرب دیا جائے تو تین سو ساٹھ ہو جائیں گے، اور سال کے تین سو ساٹھ دن ہوتے ہیں، اس طرح ان چھتیس روزوں کے بدلے اللہ تعالیٰ سارے سال روزے رکھنے کا ثواب عطا فرما دیتے ہیں۔ ہر نیکی کا یہی حال ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر نیکی کا دس گنا ثواب عطا فرماتے ہیں۔

برائی کا بدلہ ایک گنا

برائی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں اتنی ہی سزا دوں گا جتنی اس نے برائی کی ہے (اس کو بڑھایا نہیں جاتا) یا معاف ہی کر دوں گا۔ یعنی اگر بندہ نے توبہ کرلی، استغفار کرلیا، اور اللہ تعالیٰ کے حضور ندامت کا اظہار کرلیا کہ یا اللہ! مجھ سے غلطی ہو گئی، مجھے معاف فرما۔ تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرما دے گا۔ اس طرح اس برائی کی ایک گنا سزا بھی ختم ہو جائے گی۔

کراماً کاتبین میں ایک امیر دوسرا مامور

میں نے اپنے شیخ حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب قدس اللہ سرہ سے ایک حدیث سنی، البتہ کسی کتاب میں یہ حدیث نہیں دیکھی، کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے ساتھ دو فرشتے مقرر فرمائے ہیں، ایک نیکیاں لکھتا ہے اور دوسرا گناہ لکھتا ہے، حضرت والا فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں فرشتوں میں یہ انتظام فرمایا ہے کہ نیکی لکھنے والے فرشتے کو بدی لکھنے والے فرشتے کا امیر مقرر فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی سنّت اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ جب دو آدمی کسی کام پر جائیں تو اپنے میں سے ایک کو امیر بنالیں، اس لئے ایک فرشتے کو دوسرے کا امیر بنادیا، اور جب انسان کوئی نیکی کرتا ہے تو نیکی لکھنے والا فرشتہ فوراً اس نیکی کو اس کے نامۂ اعمال میں لکھ لیتا ہے، لیکن جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے تو بدی لکھنے والا فرشتہ فوراً اس بدی کو نہیں لکھتا، بلکہ وہ اپنے امیر سے یعنی نیکی لکھنے والے فرشتے سے پوچھتا ہے کہ اس بندے نے یہ بدی کی ہے، اس کو لکھوں یا نہ لکھوں؟ وہ فرشتہ کہتا ہے کہ ذرا ٹھہر جاؤ، ہو سکتا ہے کہ یہ توبہ کرلے، استغفار کرلے، اگر اس نے توبہ کرلی تو پھر لکھنے کی ضرورت ہی نہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر پوچھتا ہے کہ اب لکھوں؟ وہ فرشتہ کہتا ہے کہ ذرا ٹھہر جاؤ، شاید یہ توبہ کرلے۔ پھر جب تیسری مرتبہ وہ فرشتہ پوچھتا ہے اور بندہ توبہ نہیں کرتا تو اس وقت نیکی والا فرشتہ کہتا ہے کہ اب توبہ کی امید

نہیں ہے، اب لکھ لو، چنانچہ وہ بدی والا فرشتہ اس گناہ کو اس کے نامۂ اعمال میں لکھ لیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ عذاب دینا نہیں چاہتے

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتے کہ کسی بندے کو عذاب دیں، قرآن کریم میں عجیب انداز سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَا یَفْعَلُ اللّٰہُ بِعَذَابِکُمْ اِنْ شَکَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ۔

(سورۃ النسآء، آیت ۱۴۷)

یعنی اگر ایمان لے آؤ اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو تو اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا؟

لہٰذا اللہ تعالیٰ تو عذاب دینا نہیں چاہتے، لیکن کوئی بندہ نافرمانی پر کمر ہی باندھ لے اور اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے پر تُل جائے تو اس کے بعد اس کو عذاب دیا جاتا ہے۔ اور پھر آخر وقت تک اللہ تعالیٰ نے توبہ کا دروازہ کھول رکھا ہے کہ موت سے پہلے جب بھی توبہ کرلو گے تو اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں گے۔

بندوں کو معاف کرنے کا قاعدہ

بہرحال! فرمایا کہ جو کوئی نیکی کرے گا اس کو دس گنا اجر و ثواب دیا جائے گا اور جو برائی کرے گا اس کو صرف ایک گنا سزا دی جائے گی یا میں اس کو بھی معاف کردوں گا۔ پھر اس حدیث قدسی میں معاف کرنے کا

قاعدہ بیان فرمایا کہ!

من عمل قُراب الأرض خطيئةً ثم لقينى لا يشرك بى شئياً جعلت له مثلها مغفرة۔

یعنی جو شخص ساری زمین بھر کر گناہ کرلے اور پھر میرے پاس آجائے بشرطیکہ اس نے میرے ساتھ شرک نہ کیا ہو تو میں اس کو اتنی ہی مغفرت عطا کر دوں گا جتنے اس کے گناہ تھے۔

یعنی ایک شخص گناہوں سے ساری زمین بھر دے اور پھر میرے سامنے ندامت اور شرمندگی کے ساتھ توبہ کرنے اور استغفار کرنے کے لئے آجائے تو میں اس کو معاف کردوں گا۔ اس کے ذریعے معاف کرنے کا قاعدہ بتادیا کہ معافی کا یہ دروازہ ہم نے کھول رکھا ہے اور مرتے دم تک جب تک نزع کی حالت طاری نہیں ہوتی، اس وقت تک یہ دروازہ کھلا رہے گا، آجاؤ آجاؤ! کتنے بھی دور چلے گئے ہو، تب بھی ہمارے پاس آجاؤ، ایک مرتبہ سچے دل سے اپنے گناہوں سے تائب ہو جاؤ، توبہ کرلو، تو ہم تمہیں معاف کردیں گے، اور صرف یہ نہیں کہ ان گناہوں پر سزا نہیں ملے گی بلکہ نامہ اعمال سے مٹا دیئے جائیں گے گویا کہ وہ گناہ کئے ہی نہیں تھے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت دیکھئے۔ اسی لئے ایک حدیث قدسی میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا!

سبقت رحمتى غضبى۔

میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی۔

پھر اسی کو اللہ تعالیٰ نے قانون بنادیا۔

(مسلم شریف، کتاب التوبۃ، باب فی سعۃ رحمۃ اللہ وانہا سبقت غضبہ)

گناہوں سے توبہ واستغفار کریں

اور یہ قانون اس لئے بنادیا کہ ہم اسی قانون سے فائدہ اٹھالیں اور توبہ واستغفار کرلیں۔ توبہ واستغفار کی اہمیت کو سمجھیں! حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنِّی لَاَ سْتَغْفِرُ اللّٰہَ کُلَّ یَوْمٍ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً۔

میں اللہ تعالیٰ سے روزانہ ستر مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔

حالانکہ آپ ﷺ گناہ سے معصوم ہیں، آپ ﷺ سے گناہ سرزد ہو ہی نہیں سکتا، پھر بھی استغفار فرمارہے ہیں، کیوں؟ تاکہ ہمیں توبہ اور استغفار کا سبق سکھائیں کہ جب میں استغفار کررہا ہوں تو تم بھی استغفار کرو، صبح وشام کثرت سے استغفار کرو۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت

اس حدیث قدسی کا اگلا جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ!

مَنِ اقْتَرَبَ اِلَیَّ شِبْراً اِقْتَرَبْتُ اِلَیْہِ ذِرَاعًا ۔ وَمَنِ اقْتَرَبَ اِلَیَّ ذِرَاعاً اِقْتَرَبْتُ اِلَیْہِ بَاعًا ۔ وَمَنْ اَتَانِی

یَمۡشِیۡ اَتَیۡتُه' هَرۡوَلَةً۔

یعنی جو بندہ میرے قریب ایک بالشت آتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کے قریب چلا جاتا ہوں اور جو بندہ ایک ہاتھ میرے قریب آتا ہے تو میں دو ہاتھ اس کے قریب چلا جاتا ہوں، اور جو بندہ میری طرف پیدل چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔

اس سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اندازہ لگائیں! گویا کہ فرمایا کہ تم میرے جتنا قریب آنے کی کوشش کرو گے تو میں اس سے کئی گنا زیادہ تمہارے قریب آ جاؤں گا۔

قربِ خداوندی کی مثال

اس حدیث میں فرمایا کہ جو بندہ میری طرف چل کر آتا ہے میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔ اس بات کو حضرت حکیم الامّت رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی پیاری مثال کے ذریعہ سمجھایا ہے، فرمایا کہ اس کی مثال یوں سمجھو کہ ایک چھوٹا بچہ ہے جس کو چلنا نہیں آتا، باپ یہ چاہتا ہے کہ میں اس کو چلنا سکھاؤں، تو باپ دور کھڑے ہو کر اس بیٹے کو اپنی طرف بلاتا ہے کہ بیٹا میرے پاس آؤ، اب اگر وہ بچہ دور ہی کھڑا رہے گا اور ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھائے گا تو باپ اس سے دور ہی رہے گا، لیکن اگر وہ بچہ ایک قدم بڑھاتا ہے اور چلنا نہ جاننے کی وجہ سے جب وہ گرنے لگتا ہے تو باپ اس

کو گرنے نہیں دیتا بلکہ باپ دوڑ کر اس کے قریب جاتا ہے اور اس کو گود میں اٹھالیتا ہے تاکہ وہ گرنے نہ پائے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسی طرح جب کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف قدم بڑھاتا ہے اور گرنے لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم اس کو گرنے نہیں دیں گے، بلکہ آگے بڑھ کر اس کو اٹھالیں گے، لہٰذا یہ اللہ کے راستے میں چلنے والوں کے لئے بشارت ہے۔

نوازنے کا ایک بہانہ

یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک بہانہ ہے، اللہ تعالیٰ تو یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ یہ بندہ ہماری طرف چلنا چاہ رہا ہے یا نہیں؟ یہ بندہ اپنے حصّے کا کام کر رہا ہے یا نہیں؟ اگر وہ بندہ اپنے حصّے کا اتنا کام کر رہا ہے جو اس کی قدرت اور استطاعت میں ہے **تو پھر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس کی تکمیل** خود فرمادیتے ہیں اور پھر اللہ کے راستے میں چلتے ہوئے بندہ لڑکھڑا جائے اور گر جائے تو اس کی بھی پرواہ نہ کرے۔

یہ بہت بڑا دھوکہ ہے

لہٰذا جو بات اس حدیث میں دیکھنے کی ہے، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ کونسا بندہ میری طرف بڑھتا ہے اور میری طرف آنے کی کوشش کرتا ہے، لیکن اگر کوئی بندہ کوشش ہی نہ کرے تو اس کے لئے پھر کوئی وعدہ نہیں ہے۔ ایک قوم اس غفلت میں اور اس انتظار میں پڑی ہوئی

ہے کہ کوئی لطیفہ غیبی سامنے آئے اور وہ ہمیں زبردستی نیکی اور تقویٰ کے مقام تک پہنچادے، چنانچہ بعض لوگ جب کسی شیخ کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے ہیں اور اس سے اصلاحی تعلق قائم کر لیتے ہیں تو وہ یوں سمجھتے ہیں کہ اب ہمیں کچھ کرنا نہیں پڑے گا، بلکہ اس شیخ کے پاس ایسی غیبی طاقت ہے جس کے ذریعہ وہ ہمیں اٹھا کر جنّت میں پہنچادے گا۔

عمل خود کرنا پڑے گا

یاد رکھئے! یہ بہت بڑا دھوکہ ہے، کوئی بھی کسی کو اٹھا کر جنّت میں نہیں پہنچائے گا، بلکہ ہر انسان کو خود ہی چل کر جنّت میں جانا ہو گا اور جنّت میں لے جانے والے اعمال خود ہی کرنے پڑیں گے، البتہ اللہ تعالیٰ نے اتنا وعدہ فرمالیا کہ اگر تم تھوڑا سا چلو گے تو میں تمہیں اس سے کہیں زیادہ اپنا قرب عطا کروں گا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا!

وَ الَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا

(سورۂ العنکبوت، آیت ٦٩)

جو لوگ ہمارے راستے میں کوشش کرتے ہیں تو ہم ان کے ہاتھ پکڑ کر اپنے راستے پر لے جاتے ہیں۔

اس لئے یہ سمجھنا کہ کچھ کئے بغیر بیٹھے بیٹھے کام بن جائے گا، یا کسی کے ہاتھ پر ہاتھ رکھنے سے کام بن جائے گا، یا یہ سمجھنا کہ صرف تمناؤں اور آرزوؤں سے جنّت مل جائے گی، یہ بہت بڑا دھوکہ ہے۔ لہٰذا تم عمل کرو،

چاہے تمہارا وہ عمل نامکمل اور ادھورا ہی سہی، ناقص ہی سہی، لیکن عمل کرو اور اس عمل کو جاری رکھو، پھر اللہ تعالیٰ کسی نہ کسی وقت تمہیں کھینچ لیں گے۔ اور اس ناقص عمل کی بیقدری مت کرو، اگر ناقص عمل کی بھی توفیق ہو گئی ہے تو اس پر بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، اس لئے کہ انشاء اللہ یہ ناقص عمل بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کھینچ لینے کا ذریعہ بن جائے گا۔

اپنی طلب اور کوشش شرط ہے

لہٰذا اس حدیث سے یہ سبق ملا کہ ہمت کے بغیر کوئی کام نہیں ہوتا۔ چنانچہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض لوگ اپنے شیخ سے جاکر کہتے ہیں کہ حضرت! کوئی ایسا طریقہ بتا دیجئے جس کے ذریعہ عمل ہو جایا کریں اور گناہ چھوٹ جایا کریں۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یاد رکھئے! ایسا طریقہ کسی شیخ کے پاس نہیں ہے، اگر ایسا ہوتا تو آج دنیا میں کوئی کافر نہ ہوتا، انبیاء علیہم السلام جب دنیا میں تشریف لاتے تھے تو ان کی عین خواہش ہوتی تھی کہ سب لوگ مسلمان ہو جائیں اور سب لوگوں کی اصلاح ہو جائے، تو اگر کوئی ایسا نسخہ ہوتا تو انبیاء علیہم السلام اس نسخے کو ضرور استعمال کرتے اور ایک چھو منتر کرتے یا ایک نظر ڈالتے اور سب لوگ مسلمان ہو جاتے، لیکن ایسا نہیں ہوا۔ بلکہ اگر کسی شخص سے جب تک کچھ نہ کچھ عمل نہ ہو اس وقت تک نبی کی زیارت بھی فائدہ نہیں دیتی، دیکھئے ابو جہل نے اور ابولہب نے بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت

کی، لیکن چونکہ اندر طلب نہیں تھی، عمل اور عزم نہیں تھا، اس لئے اس زیارت نے بھی فائدہ نہیں دیا۔

ہر معجزہ میں نبی کے عمل کا دخل

اور یہ دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کے ہاتھ پر معجزات ظاہر فرماتے ہیں، یہ معجزات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں، لیکن ہر معجزہ میں یہ نظر آئے گا کہ کچھ نہ کچھ عمل اس نبی سے ضرور کروایا گیا، مثلاً احادیث شریف میں کئی واقعات ایسے آئے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ معجزہ کے طور پر آپ کی برکت سے کھانے میں یا پانی میں برکت ہو گئی۔ غزوہ احزاب کے موقع پر ایک صحابی حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ ﷺ کے چہرے پر بھوک کے آثار دیکھے تو وہ گھر گئے اور بیوی سے کہا کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور پر بھوک کے آثار دیکھے ہیں، کچھ کھانا ہو تو تیار کرلو، بیوی نے کہا کہ تھوڑا کھانا ہے، دو چار آدمیوں کے لئے کافی ہو جائے گا، اس لئے آپ چپکے سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ ﷺ کے ساتھ ایک دو حضرات کو دعوت دیں، مجمع میں سب کے سامنے دعوت نہ دیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ زیادہ افراد آجائیں اور یہ کھانا ناکافی ہو جائے۔ چنانچہ خاتون نے کھانے کی ہانڈی پکانے کے لئے چولہے پر رکھ دی، اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور چپکے سے عرض کیا کہ یارسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم! گھر پر آپ ﷺ کے لئے کچھ کھانا تیار کیا ہے، آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھ دوچار حضرات تشریف لے آئیں۔ جب آپ ﷺ نے یہ سنا تو آپ ﷺ نے پورے لشکر کو دعوت دے دی کہ چلو، جابر کے یہاں دعوت ہے۔

معجزہ کے طور پر کھانے میں برکت

اب حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پریشان ہوئے کہ کھانا تو صرف دوچار آدمیوں کا ہے اور آپ نے سارے لشکر کو دعوت دیدی، اور بیوی نے کہا تھا کہ چپکے سے دعوت دینا، اب پورا لشکر چلا آرہا ہے۔ جب گھر کے اندر گئے تو بیوی کو بتایا کہ یہ تو پورا لشکر آگیا ہے، ان کی بیوی پہلے تو ناراض ہوئیں اور ان کو کہا "بِكَ وَبِكَ" تمہارا ایسا ہو اور ویسا ہو! تم نے چپکے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں کہا ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ میں نے چپکے سے کہا تھا، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو دعوت دیدی، وہ خاتون بھی تو آخر صحابیہ تھیں، چنانچہ ان خاتون نے کہا کہ اگر تم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہدیا تھا کہ چند آدمیوں کا کھانا ہے، پھر بھی آپ ﷺ نے سارے لشکر کو دعوت دیدی تو پھر مجھے کوئی خوف نہیں، اس لئے کہ پھر حضور ﷺ ذمہ دار ہیں۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ ﷺ نے حضرت جابرؓ سے فرمایا کہ جاؤ بیوی سے کہدو کہ ہانڈی سے کھانا نکال کر دیتی

جائیں اور ہانڈی کو چولہے پر چڑھی رہنے دیں۔ چنانچہ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ سارا لشکر کھانے کے لئے بیٹھ گیا اور میں کھانا لاکر ان کو کھلاتا رہا، لیکن وہ ہانڈی ختم ہی نہیں ہوتی تھی، یہاں تک کہ پورے لشکر نے سیر ہو کر کھانا کھالیا۔ اب یہ صرف تین چار آدمیوں کا کھانا تھا لیکن پورے لشکر کو کافی ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر یہ معجزہ ظاہر فرمایا۔

کھانا تم پکاؤ، برکت ہم ڈالیں گے

دیکھنے کی بات یہ ہے کہ یہ معجزہ اس طرح بھی تو ظاہر ہو سکتا تھا کہ کوئی ہانڈی ہی نہ ہوتی، کوئی سالن ہی نہ ہوتا، اور اللہ تعالیٰ غیب سے کھانا بھیج دیتے۔ لیکن اس طرح معجزہ ظاہر نہیں کیا گیا، بلکہ اس طرح ظاہر کیا گیا کہ کھانا تم پکاؤ، اگرچہ وہ تھوڑا ہی ہو، پھر ہم اس تھوڑے کھانے میں برکت ڈال دیں گے اور اس کے اندر اضافہ کر دیں گے۔ اس کے ذریعہ یہ سبق دیدیا کہ اپنی طرف سے کچھ نہ کچھ عمل کرنا ہے، تبھی معجزہ ظاہر ہوگا، تمہارے عمل کے بغیر معجزہ بھی ظاہر نہیں ہوگا۔

پانی میں برکت کا واقعہ

غزوۂ تبوک میں آپ ﷺ تشریف لے جا رہے تھے، پانی کی قلت تھی، لشکر بڑا تھا، پیاس لگی ہوئی تھی اور پانی نہیں مل رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فلاں مقام پر راستے میں ایک چشمہ آئے گا جب وہ

چشمہ آ جائے تو مجھے اطلاع کریں اور میری اجازت کے بعد لشکر اس چشمے سے پانی پیئے۔ چنانچہ راستے میں چشمہ آیا، اس چشمہ میں تھوڑا سا پانی تھا جس کو چند افراد پی سکتے تھے، آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک اس چشمہ کے پانی میں ڈالا اور پھر فرمایا کہ اب لشکر اس پانی کو استعمال کرے، چنانچہ سارا لشکر اس پانی سے سیراب ہو گیا۔ یہاں بھی اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو ویسے ہی آسمان سے پانی نازل فرما دیتے، یا کوئی اور ایسا طریقہ ہو جاتا جس کے ذریعے سب سیراب ہو جاتے، لیکن ایسا نہیں کیا، بلکہ پہلے یہ حکم دیا کہ چشمہ تلاش کرو اور اس کے ذریعہ تھوڑا سا پانی تم اپنے عمل سے حاصل کرو اور پھر اپنا ہاتھ اس کے اندر داخل کرو، اس کے بعد اس کے اندر ہم برکت ڈالیں گے۔ اس واقعہ کے ذریعہ بھی اللہ تعالیٰ نے یہ سبق دیدیا کہ اپنا عمل کرنا شرط ہے جب تک آدمی اپنے ہاتھ پاؤں نہیں ہلائے گا اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی مدد کا وعدہ نہیں۔

ید بیضاء کا معجزہ

انبیاء علیہم السلام کے تمام معجزات میں یہ نظر آتا ہے کہ ہر نبی سے تھوڑا عمل ضرور کرایا گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو "ید بیضاء" کا معجزہ دیا گیا، ان سے فرمایا کہ اپنا ہاتھ بغل میں داخل کر کے پھر نکالو، جب نکالا تو وہ ہاتھ چمکنے لگا۔ یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ بغل میں ہاتھ داخل کئے بغیر چمکنے لگتا، لیکن فرمایا کہ تھوڑا سا عمل تم کرو کہ اس ہاتھ کو بغل میں لے جاؤ، جب تم

اس کو نکالو گے تو ہم اس کو چمک دار بنادیں گے۔

جب معجزات میں یہ بات ہے کہ نبی سے کچھ نہ کچھ عمل ضرور کرایا گیا تو دوسری چیزوں میں یہ اصول بطریق اولیٰ پایا جانا ضروری ہے کہ اپنی طرف سے کچھ نہ کچھ عمل ضرور کرنا ہے، جب اپنا عمل کرلو گے تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکت اور مدد آئے گی۔ اس لئے قدم بڑھانے کی ضرورت ہے، اگر آدمی دور ہی سے اپنے اوپر ہوّا سوار کرکے بیٹھ جائے اور یہ کہنے لگے کہ آج تو زمانہ خراب ہے، حالات خراب ہیں، ماحول خراب ہے، اور اس کی وجہ سے آدمی پھر ہاتھ پاؤں ہلانا چھوڑ دے تو پھر کچھ نہیں ہوسکتا۔

جب چلو گے تو راستہ کھلتا چلا جائے گا

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس کی ایک مثال دیا کرتے تھے جو یاد رکھنے کی ہے۔ فرماتے تھے کہ اگر تم کسی لمبی اور سیدھی سڑک پر کھڑے ہو اور اس سڑک کے دونوں طرف درختوں کی قطاریں ہوں، اب اگر یہاں کھڑے کھڑے سڑک کو دیکھو گے تو یہ نظر آئے گا کہ آگے چل کر درخت کی قطاریں آپس میں مل گئی ہیں اور آگے راستہ بند ہے۔ اب اگر کوئی احمق یہاں کھڑے ہوکر کہے کہ آگے چونکہ راستہ بند ہے، اس لئے اس راستے پر چلنا فضول ہے، اور وہ آگے قدم نہ بڑھائے تو وہ احمق ساری عمر وہیں کھڑا رہے گا اور کبھی منزل تک نہیں پہنچ سکے گا۔ لیکن اگر وہ چلنا شروع

کرے گا تب اس کو پتہ چلے گا کہ درحقیقت راستہ بند نہیں تھا بلکہ میری نگاہ دھوکہ دے رہی تھی۔

گناہ چھوڑنے کی کوشش کرو

اللہ تعالیٰ کے دین کا معاملہ بھی یہی ہے، اگر آدمی دور دور سے یہ سوچ کر بیٹھ جائے کہ آج کل کے دور میں دین پر عمل کرنا بڑا مشکل ہے، یہ تو بیسویں صدی ہے، اس میں گناہوں سے بچنا بڑا مشکل ہے، اس زمانے میں ہم کیسے اپنا ماحول تبدیل کریں؟ ٹی وی کیسے چھوڑیں؟ وی سی آر کیسے چھوڑیں؟ بے پردگی کیسے چھوڑیں؟ بدنگاہی کیسے چھوڑیں؟ جھوٹ کیسے چھوڑیں؟ رشوت کیسے چھوڑیں؟ اگر ان کاموں کو مشکل سمجھ کر انسان بیٹھا رہے تو وہ انسان کبھی کامیاب نہیں ہوگا۔ لیکن اگر انسان یہ سوچے کہ پہلے میں یہ گناہ سو مرتبہ کرتا تھا اور اب میں اس میں کچھ تو کمی کروں، سو میں سے پچاس مرتبہ کم کروں، جب انسان کمی کرنے کا اقدام خود سے کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس میں تمہاری مدد فرمائیں گے، اگر تم نے سو میں سے پچاس کرلیا تو اللہ تعالیٰ پھر پچاس کے پچیس بھی کرادیں گے انشاء اللہ، اور اگر تم نے پچاس سے پچیس کر لئے تو اللہ تعالیٰ صفر بھی کرادیں گے۔

صبح سے شام تک کے کاموں کا جائزہ لو

ہمارے حضرت والا فرمایا کرتے تھے کہ ہر شخص اپنی صبح سے لے کر شام تک کی زندگی کا جائزہ لے کہ میں کیا کیا کرتا ہوں؟ کتنے فرائض و

واجبات میں ادا نہیں کرتا؟ کتنی سُنتیں میں ترک کرتا ہوں؟ کتنے نیک اعمال ایسے ہیں جو میں نہیں کرتا؟ اور کتنی برائیاں، کتنی غلطیاں اور کتنے گناہ ایسے ہیں جو میں کرتا ہوں؟ ان سب کی ایک فہرست بناؤ، پھر اس فہرست میں غور کر کے دیکھو کہ کتنے گناہ ایسے ہیں جو تم کسی تکلیف کے بغیر فوراً چھوڑ سکتے ہو، ان کو تو فوراً چھوڑ دو، اور جن گناہوں کے چھوڑنے میں تھوڑا سا وقت درکار ہے، ان کو چھوڑنے کے لئے کوشش شروع کر دو، اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے رہو کہ یا اللہ! جتنے گناہ چھوڑنا میرے بس میں تھا، ان کو تو میں نے چھوڑ دیا، اے اللہ! بقیہ گناہوں کو چھوڑنا میرے بس میں نہیں ہے، آپ اپنے فضل سے ان کو چھڑا دیجئے۔ یہ کام کرو، پھر اللہ تعالیٰ مدد فرمائیں گے۔

قدم بڑھاؤ اور پھر دعا کرو

دو کام ہمیشہ یاد رکھو! ایک یہ کہ اپنی طرف سے قدم بڑھانا اور دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ سے تکمیل کی دعا کرنا۔ ساری عمر یہ دو کام کرتے رہو، پھر انشاء اللہ تم کامیاب ہو جاؤ گے۔ ہمارے حضرت فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ سے باتیں کیا کرو، اور کہو کہ یا اللہ! میں فلاں فلاں گناہوں کے اندر مبتلا تھا، میں نے قدم بڑھایا اور اتنے گناہ چھوڑ دیئے، البتہ باقی گناہوں کے چھوڑنے میں نفس و شیطان سے مغلوب ہو رہا ہوں، حالات اور ماحول سے مغلوب ہو رہا ہوں، اس لئے وہ گناہ میں نہیں چھوڑ پا رہا ہوں، اور آپ

اس مغلوبیت کو ختم کر سکتے ہیں، میرے بس میں نہیں ہے۔ اے اللہ! آپ اس رکاوٹ کو اور مغلوبیت کو دور فرما دیجئے یا مجھ سے رکاوٹ کو دور فرما دیجئے یا مجھے پھر آخرت میں عذاب نہ دیجئے گا۔ اس طرح باتیں کرو، پھر دیکھو کیسے کام بنتا ہے اور کس طرح اللہ تعالیٰ گناہوں سے بچنے کی توفیق عطا فرماتے ہیں۔ لہٰذا اپنے حصے کا کام کرو جتنا تم کر سکتے ہو، باقی کی تکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہو۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا دروازے کی طرف بھاگنا

حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھئے! زلیخا نے ان کو گناہ کی دعوت دی اور دعوت دیتے وقت تمام دروازوں پر تالے ڈال دیئے تاکہ بھاگنے کا راستہ باقی نہ ہو، حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ دروازوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں، لیکن پھر بھی آپ دروازے کی طرف دوڑے، دروازے تک اس لئے بھاگے تاکہ اللہ میاں سے کہہ سکیں کہ یا اللہ! دروازے تک بھاگنا میرا کام تھا اور آگے دروازے کھولنا آپ کا کام ہے۔ اگر حضرت یوسف علیہ السلام دروازے تک نہ بھاگتے تو دروازوں کے تالے کھلنے کی کوئی گارنٹی نہیں تھی، لیکن چونکہ دروازے تک بھاگے اور وہاں پہنچ کر یہ کہدیا کہ یا اللہ! اتنا میرے بس میں تھا جو میں نے کر دیا، آگے دروازے کھولنا میرے بس کا کام نہیں۔ فرمایا!

اِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ کَیْدَ ھُنَّ اَصْبُ اِلَیْھِنَّ وَاَکُنْ مِنَ

الْجٰهِلِيْنَ (سورۂ یوسف، آیت ۳۳)

اگر آپ نے مجھ سے ان کے فتنوں کو دور نہ فرمایا تو
میں اس میں مبتلا ہو جاؤں گا اور اس کے نتیجے میں
جاہلوں میں سے ہو جاؤں گا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے حصے کا کام کر لیا

جب اللہ تعالیٰ نے یہ دیکھا کہ میرے بندے نے اپنے حصے کا کام کر لیا، تو اب ہم اپنے حصے کا کام کریں گے۔ چنانچہ دروازوں کے تالے ٹوٹ گئے اور دروازے کھل گئے۔ اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

گرچہ رخنہ نیست عالم را پدید
خیرہ یوسف وار می باید دوید

یعنی اگرچہ اس عالم میں بھی تمہیں بھاگنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آرہا ہے، اور گناہوں سے، فحاشی سے، عریانی سے، بددینی سے بھاگنے کا راستہ نظر نہیں آرہا ہے، لیکن جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام دروازے تک بھاگے تھے، تم بھی دروازے تک تو بھاگ کر دکھاؤ، اور پھر اللہ میاں سے کہو کہ یا اللہ! آگے بچانا آپ کا کام ہے۔ اس وقت انشاء اللہ دروازے کھل جائیں گے اور اللہ کی مدد آئے گی۔ یہی مضمون ہے اس حدیث قدسی کا جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو بندہ میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کی طرف بڑھتا ہوں۔

رات کو سوتے وقت یہ کرلو

لہٰذا جب رات کو سونے لگو تو اللہ تعالیٰ سے کچھ باتیں کرلو، اور اللہ تعالیٰ سے کہدو کہ یا اللہ! آج کا دن گزر گیا، آج کے دن میں اتنے گناہوں سے بچ سکا اور اتنے گناہوں سے نہیں بچ سکا، اتنا کام کرسکا اور اتنا کام نہیں کرسکا اور میں مغلوب ہو گیا، یا اللہ! اپنی رحمت سے اس مغلوبیت کو دور فرما دیجئے، میں آپ کے راستے پر چلنا چاہتا ہوں، لیکن یہ نفس و شیطان اور میرا یہ ماحول مجھے آپ کے راستے سے بہکاتے ہیں، اے اللہ! مجھے ان کے اوپر غلبہ عطا فرما۔ یہ دعا رات کو کرلو۔

صبح اٹھ کر یہ عہد کرلو

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ روزانہ صبح کو بیٹھ کر اللہ تعالیٰ سے عہد و پیمان کرلیا کرو کہ یا اللہ! آج کا دن شروع ہو رہا ہے اور آج جب میں اپنے کاروبار زندگی میں نکلوں گا تو خدا جانے گناہوں کے کیا کیا دواعی اور محرکات سامنے آئیں گے اور کیسے کیسے حالات گزریں گے، میں اس وقت آپ کی بارگاہ میں بیٹھ کر عزم کر رہا ہوں اور ارادہ کر رہا ہوں کہ آپ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق چلوں گا اور آپ کی رضا کے راستے پر چلنے کی کوشش کروں گا، لیکن اے اللہ! مجھے اپنی طاقت اور ہمت پر بھروسہ نہیں ہے، چلنا تو چاہ رہا ہوں، لیکن ہو سکتا ہے کہ گر پڑوں، لڑکھڑا جاؤں، اے اللہ! میں جہاں گرنے لگوں، اپنی رحمت سے

مجھے تھام لیجئے گا اور مجھے اس غلط راستے سے بچا لیجئے گا۔ یا اللہ! میں بے ہمّت ہوں، بے حوصلہ ہوں، ہمّت دینے والے بھی آپ ہیں، حوصلہ دینے والے بھی آپ ہیں، اپنی رحمت سے ہمّت اور حوصلہ بھی عطا فرما دیجئے۔ اور اگر اس کے بعد بھی میں گرا تو پھر آپ مجھ سے قیامت کے روز مؤاخذہ نہ فرمائیے گا، پھر میری گرفت نہ فرمائیے گا، اس لئے کہ میں چلنا چاہتا ہوں، اگر آپ نہیں تھامیں گے تو میں گمراہ ہو جاؤں گا۔ اب اگر میں گمراہ ہو گیا تو آپ کی ذمہ داری ہے، پھر آپ مجھ سے مؤاخذہ نہ فرمائیے گا۔

روزانہ صبح کے وقت اللہ تعالیٰ سے یہ عہد و پیمان کرو، اور پھر حتی الامکان اپنے عمل کے وقت کوشش کرلو، پھر بھی اگر بالفرض بھول چوک سے بتقاضہ بشریت کہیں لڑکھڑا گئے اور اس پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کر لیا اور توبہ کرلی تو انشاء اللہ پھر راستے پر آجاؤ گے۔ لیکن صبح کے وقت یہ عہد و پیمان کرلو۔

صبح یہ دعا کر لیا کرو

ہمارے حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ صبح فجر کی نماز کے بعد وظائف اور ذکر و اذکار سے فارغ ہو کر یہ پڑھ لیا کرو کہ!

إِنَّ صَلَاتِي وَ نُسُكِي وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

اے اللہ! میری نماز، میری عبادت، میرا جینا، میرا مرنا، سب آپ

کے لئے ہے۔ میں اس وقت ارادہ کر رہا ہوں کہ جو کچھ کروں گا سب آپ کی رضا کے لئے کروں گا، لیکن مجھے اپنی ذات پر بھروسہ نہیں، خدا جانے کہاں لڑکھڑا جاؤں، آپ میری مدد فرمائیے۔ یہ کرنے کے بعد پھر کاروبار زندگی کے اندر نکلو، انشاء اللہ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد ہوگی۔ روزانہ یہ کام کرلو، پھر دیکھو گے کیا سے کیا ہو جائے گا۔ اور اگر پھر کسی جگہ پر لڑکھڑا بھی گئے تو اللہ تعالیٰ سے بات تو کرلی ہے کہ یا اللہ، میرا ثابت قدم رہنا میرے بس سے باہر ہے، تو امید ہے کہ معافی کا سامان ہو ہی جائے گا، اس کے بعد جب دوبارہ اگلے روز صبح بیٹھو تو پہلے استغفار کرلو اور پھر دوبارہ اس عزم کو تازہ کرلو۔

آج کو گزشتہ کل سے اچھا بناؤ

اور یہ تہیہ کرلو کہ آج میں کل کے مقابلے میں زیادہ بہتر عمل کروں گا، اور آج میں گناہوں سے زیادہ بچنے کی کوشش کروں گا۔ حدیث شریف میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کا آج اور کل برابر ہوگا وہ شخص بڑے خسارے میں ہے۔ اس لئے کہ اس نے کوئی ترقی نہیں کی، کل کے مقابلے میں آج اس نے کچھ تو ترقی کی ہوتی، کچھ تو آگے بڑھا ہوتا۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا تلقین فرمائی کہ یہ دعا کرلیا کرو:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ يَوْمَنَا خَيْراً مِنْ اَمْسِنَا وَغَدَنَا خَيْراً

من یَوْمِنَا۔

اے اللہ! ہمارے آج کو گزشتہ کل سے بہتر بنا دیجئے

اور ہمارے آئندہ کل کو آج سے بہتر بنا دیجئے۔

یہ دعا کرو اور عزم اور تہیہ کر کے کام کرو، اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو تو پھر اللہ تعالیٰ مدد فرمائیں گے اور انشاء اللہ رفتہ رفتہ گرتے پڑتے منزل تک پہنچ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

دوسروں کی چیزوں کا استعمال

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب ـــــ جامع مسجد بیت المکرم گلشنِ اقبال ۔کراچی

وقت خطاب ـــــ بعد عصر تا مغرب

تعداد صفحات ـــــ ۱۷

جلد نمبر ـــــ ۱۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دوسروں کی چیزوں کا استعمال

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضلّ له ومن يضلله فلا هادى له، وأشهد ان لا إله إلا الله وحده لا شريك له، وأشهد ان سيدنا ونبينا ومولانا محمداً عبده ورسوله، صلى الله تعالىٰ عليه وعلى آله واصحابه وبارك وسلم تسليما كثيراً.

أما بعد:

عن مستورد بن شداد رضى الله عنه حدثه انّ رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من اكل برجل مسلم اكلة فإن الله يطعمه مثلها من جهنم. ومن كسى ثوباً برجل مسلم فان الله عزوجل يكسوه مثله من جهنم. ومن قام برجل مقام سمعة ورياء فان الله يقوم به مقام سمعة ورياء يوم القيامة.

(ابوداؤد، كتاب الادب، باب الغيبة)

دوسروں کو تکلیف دیکر اپنا مفاد حاصل کرنا

حضرت مستورد بن شداد رضی اللہ عنہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص کسی مسلمان کے ذریعہ کوئی لقمہ کھائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی مسلمان کی حق تلفی کر کے یا کسی مسلمان کو تکلیف پہنچا کر یا کسی مسلمان کو بدنام کر کے اپنا کوئی مفاد حاصل کرے، جیسے بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی معیشت کا دار و مدار اس پر ہے کہ دوسروں کو تکلیف پہنچا کر اپنے کھانے کا سامان کرتے ہیں، مثلاً رشوت لیکر کھانا کھایا، اب اس نے درحقیقت ایک مسلمان کو ناحق تکلیف پہنچا کر کھانا کھایا۔ اسی طرح اگر کسی کو دھوکہ دیکر اس سے پیسے حاصل کر لئے تو اس نے بھی ایک مسلمان کو تکلیف پہنچا کر کھانا کھایا۔

اسی طرح اگر کسی مسلمان کو بدنام کر کے پیسے حاصل کر لئے، جیسے آج کل نشرواشاعت اور پبلسٹی کا زمانہ ہے۔ بعض لوگ ایسے ہیں جنہوں نے نشرواشاعت کے ذریعہ لوگوں کی بلیک میلنگ کو اپنا پیشہ اور ذریعہ آمدنی بنا کر رکھا ہے، اب ایسا شخص دوسرے کو بدنام کر کے پیسے حاصل کرتا ہے اور کھانا کھاتا ہے۔ یہ تمام صورتیں اس حدیث کے مفہوم کے اندر داخل ہیں کہ جو شخص کسی مسلمان کو تکلیف پہنچا کر کھانا کھائے تو جتنا کھانا اس نے اس طریقے سے حاصل کر کے کھایا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو اس کھانے کے وزن کے برابر جہنم کے انگارے کھلائیں گے۔

دوسروں کو تکلیف دے کر لباس یا شہرت حاصل کرنا

اسی طرح جو شخص کسی دوسرے مسلمان کو تکلیف پہنچا کر اور اس کی حق تلفی کر کے پیسے کمائے گا اور پھر ان پیسوں سے لباس بنائے گا تو اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ اس کو جہنم کا اتنا ہی لباس پہنائیں گے یعنی آگ کے انگاروں کا لباس پہنائیں گے۔

اسی طرح جو شخص دوسرے مسلمان کو تکلیف پہنچا کر شہرت کے مقام تک پہنچے، جیسے بعض لوگ دوسروں کی برائی کر کے اپنی اچھائی ثابت کرتے ہیں، چنانچہ الیکشن کے دوران لوگ یہ کام کرتے ہیں کہ انتخابی جلسوں میں دوسروں کی خرابی بیان کر کے اپنی اچھائی بیان کرتے ہیں، ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بدنامی کے مقام پر کھڑا کریں گے۔ یہاں دنیا میں تو اس نے نیک شہرت حاصل کر لی، لیکن اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ وہاں اس کو بُری شہرت عطا فرمائیں گے، اور برسر عام اس کو رسوا کریں گے کہ یہ وہ شخص ہے جس نے مسلمان کو تکلیف پہنچا کر شہرت کا مقام حاصل کیا تھا۔

اس حدیث سے آپ اندازہ لگائیں کہ کسی مسلمان کو تکلیف پہنچانا اور اس کے حق کو پامال کرنا کتنا خطرناک کام ہے اور یہ کتنی بُری بلا ہے۔ اس لئے میں بار بار یہ عرض کرتا ہوں کہ ہر شخص اپنے برتاؤ اور اپنے طرز عمل میں اس بات کو مدنظر رکھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ دوسرے کا حق پامال ہو جائے اور پھر قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس کا حساب ہم سے لے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

دوسرے کی چیز لینا

ایک اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے کسی ساتھی یا دوست کا سامان نہ مذاق میں لے اور نہ سنجیدگی میں لے۔ ایک چیز دوسرے کی ملکیت ہے تو آپ کے لئے یہ جائز نہیں کہ اس کی اجازت بلکہ اس کی خوشدلی کے بغیر وہ چیز استعمال کریں یا اس کو قبضہ میں لیں، نہ تو سنجیدگی میں ایسا کرنا جائز ہے اور نہ ہی مذاق میں ایسا کرنا جائز ہے، چاہے وہ دوسرا شخص تمہارا قریبی دوست اور رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو لیکن اس کی چیز کو اس کی اجازت اور اس کی خوشدلی کے بغیر استعمال کرنا ہرگز جائز نہیں۔

خوش دلی کے بغیر دوسرے کی چیز حلال نہیں

ایک اور حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه".

کسی بھی مسلمان کا کوئی مال اس کی خوش دلی کے بغیر دوسرے کے لئے حلال نہیں۔ اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت کا لفظ استعمال نہیں فرمایا بلکہ خوش دلی کا لفظ استعمال فرمایا، مثلاً آپ نے کسی شخص سے ایسی چیز مانگ لی کہ اس کا دل تو نہیں چاہ رہا ہے لیکن مروّت کے دباؤ میں آکر اس نے وہ چیز دیدی اور اندر سے اس کا دل خوش نہیں ہے، اس صورت میں اگر آپ اس کی چیز استعمال کریں گے تو آپ کے لئے اس کا استعمال کرنا جائز نہیں ہوگا، اس لئے کہ آپ نے اس کا مال اس کی خوشدلی کے بغیر لے لیا۔

"مولویت" بیچنے کی چیز نہیں

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے کسی استاذ یا شیخ کا واقعہ نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ وہ کسی دکان پر کوئی چیز خریدنے گئے، اور انہوں نے اس چیز کی قیمت پوچھی، دکاندار نے قیمت بتادی، جس وقت قیمت ادا کرنے لگے تو اس وقت ایک اور صاحب وہاں پہنچ گئے جو ان کے جاننے والے تھے، وہ دکاندار ان کو نہیں جانتا تھا کہ یہ فلاں مولانا صاحب ہیں، چنانچہ ان صاحب نے دکاندار سے کہا کہ یہ فلاں مولانا صاحب ہیں، لہٰذا ان کے ساتھ رعایت کریں۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ:

> میں اپنے مولوی ہونے کی قیمت نہیں لینا چاہتا، اس چیز کی جو اصل قیمت ہے وہی مجھ سے لے لو۔ اس لئے کہ پہلے جو قیمت تم نے بتائی تھی، اس قیمت پر تم خوشدلی سے یہ چیز دینے کے لئے تیار تھے، اب اگر دوسرے آدمی کے کہنے سے تم نے رعایت کردی اور دل اندر سے مطمئن نہیں ہے تو اس صورت میں وہ خوشدلی سے دینا نہیں ہوگا، اور پھر میرے لئے اس چیز میں برکت نہیں ہوگی اور اس کا لینا بھی میرے لئے حلال نہیں ہوگا، لہٰذا جتنی قیمت تم نے لگائی ہے اتنی قیمت لے لو"۔

اس واقعہ سے اس طرف اشارہ فرمادیا کہ "یہ "مولویت" بیچنے کی چیز نہیں" کہ بازار میں اس کو بیچا جائے کہ لوگ اس کی وجہ سے اشیاء کی قیمت کم کردیں۔

امام ابو حنیفہ ؒ کی وصیت

بلکہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جن کے ہم سب مقلد ہیں، اپنے شاگرد حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کو یہ وصیت فرمائی کہ:

جب تم کوئی چیز خرید و یا کرایہ پر لو تو جتنا کرایہ اور جتنی قیمت عام لوگ دیتے ہیں، تم اس سے کچھ زیادہ دیدو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے کم دینے کی وجہ سے علم اور دین کی بے عزتی اور بے توقیری ہو۔

جن حضرات کو اللہ تعالیٰ نے احتیاط کا یہ مقام عطا فرمایا ہے وہ اس حد تک رعایت فرماتے ہیں کہ دوسرے کی چیز کہیں اس کی خوش دلی کے بغیر ہمارے پاس نہ آجائے۔ مثلاً آپ نے کسی سے کوئی چیز مانگ لی تو مانگنے سے پہلے ذرا یہ سوچو کہ اگر تم سے کوئی دوسرا شخص یہ چیز مانگتا تو کیا تم خوش دلی سے اس کو دینے پر راضی ہو جاتے؟ اگر تم خوش دلی سے راضی نہ ہوتے تو پھر وہ چیز دوسرے سے بھی مت مانگو۔ اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ مروّت کے دباؤ میں آکر وہ شخص تمہیں وہ چیز دیدے لیکن اس کا دل اندر سے راضی نہ ہو، اور اس کے نتیجے میں تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مصداق بن جاؤ کہ کسی مسلمان کا مال اس کی خوش دلی کے بغیر حلال نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احتیاط کا ایک واقعہ

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا عالی مقام تھا کہ آپ نے اس حد

تک احتیاط فرمائی کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمانے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے جو محل جنت میں بنایا ہے، وہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، اور وہ محل اتنا شاندار تھا کہ میرا دل چاہا کہ میں اس محل کے اندر چلا جاؤں، لیکن جب میں نے اندر جانے کا ارادہ کیا تو مجھے تمہاری غیرت یاد آگئی، مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بڑی غیرت بخشی ہے، اگر کوئی دوسرا شخص تمہارے گھر کے اندر اجازت کے بغیر داخل ہو تو تمہیں غیرت آتی ہے، اس لئے میں نے یہ سوچا کہ تمہارے بغیر اس میں داخل نہیں ہونا چاہئے، لہٰذا میں داخل نہ ہوا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سن کر رو پڑے اور فرمایا: اَوَ عَلَيْكَ اَغَارُ يا رَسُوْلَ اللهِ؟۔ یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، کیا میں آپ سے غیرت کروں گا؟۔

امت کے لئے سبق

اب آپ اندازہ لگائیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہیں کہ فاروق اعظم جیسا انسان وہ اپنی جان، اپنا مال، اپنی عزّت و آبرو، اپنا سب کچھ آپ پر قربان کرنے کے لئے تیار ہیں، ان کے پاس اگر کوئی بڑی سے بڑی نعمت ہو اور وہ نعمت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے استعمال میں آجائے تو وہ اس کو اپنے لئے باعثِ فخر سمجھیں گے، لیکن اس کے باوجود آپ ان کے محل میں داخل نہیں ہوئے، جب کہ وہ جگہ بھی جنت کی جگہ تھی جو تکلیف کی جگہ نہیں ہوتی۔ لیکن علماء کرام نے فرمایا ہے کہ اس حدیث سے درحقیقت سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ

وسلم امت کو یہ سبق دینا چاہتے ہیں کہ دیکھو! میں بھی اپنے ایسے فدا کار اور جانثار صحابی کے گھر میں اس کی اجازت کے بغیر داخل نہیں ہوا، تو تم لوگوں کے لئے عام حالات میں دوسروں کی چیز اس کی خوشدلی اور اجازت کے بغیر استعمال کرنا کیسے جائز ہو گا۔

سلام کے جواب کے لئے تیمّم کرنا

اللہ تعالیٰ ہمارے محدثین عظام اور فقہاء کرام رحمہم اللہ کی قبروں کو نور سے بھر دے، آمین۔ یہ حضرات ہمارے لئے عجیب ذخیرہ چھوڑ گئے ہیں۔ چنانچہ ایک صحابی نے ایک حدیث بیان فرمائی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ ایک راستے میں گزر رہے تھے، ایک صحابی نے آپ کو دیکھ کر آپ کو سلام کیا۔ یہ ابتداء اسلام کا زمانہ تھا، اور اس وقت اللہ تعالیٰ کا نام وضو کے بغیر لینا مکروہ تھا، اور "سلام" بھی اللہ کے اسماء حسنٰی میں سے ہے، اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم وضو سے نہیں تھے، اب اگر اس حالت میں "وعلیکم السلام" فرماتے تو اللہ تعالیٰ کا نام وضو کے بغیر لینا ہو جاتا، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کے بغیر نام لینے سے بچنے کے لئے یہ کیا کہ قریب میں جو مکان تھا، اس کی دیوار سے تیمّم فرمایا اور پھر آپ نے "وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" کہہ کر جواب دیا۔

علماء کا احادیث سے مسائل کا نکالنا

ان صحابی نے یہ حدیث بیان فرما دی، لیکن فقہاء کرام کا معاملہ ایسا ہے کہ ایک ایک حدیث سے امت کے لئے کیا کیا ہدایات نکل رہی ہیں، ان کے نکالنے

میں لگ جاتے ہیں۔ احادیث سے احکام نکالنے کا جب میں تصور کرتا ہوں تو میرے سامنے یہ منظر آجاتا ہے کہ جب کوئی ہوائی جہاز کسی ایئرپورٹ پر اترتا ہے تو جیسے ہی وہ اترتا ہے فوراً تمام لوگ اپنی اپنی ڈیوٹیاں انجام دینا شروع کردیتے ہیں، کوئی اس کی صفائی کررہا ہے، کوئی اس میں پٹرول بھر رہا ہے، کوئی مسافروں کو اتار رہا ہے، کوئی کھانا چڑھا رہا ہے، سب لوگ اپنے اپنے کاموں میں لگ جاتے ہیں۔ اسی طرح جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث سامنے آتی ہے تو امت کے علماء بھی مختلف جہتوں سے اس حدیث پر کام کرنے میں لگ جاتے ہیں، کوئی اس حدیث کی سند کی چھان بین کررہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے یا نہیں؟ کوئی راویوں کی جانچ پڑتال کررہا ہے، کوئی اس حدیث سے نکلنے والے احکام بتارہا ہے کہ اس حدیث سے کیا کیا احکام نکل رہے ہیں، کیا کیا رہنمائی اس سے حاصل ہورہی ہے۔ تو حضرات فقہاء کرام کا کام یہ ہے کہ جب کوئی حدیث ان کے سامنے آتی ہے تو اس حدیث کے ایک ایک جز کی بال کی کھال نکال کر احکام مستنبط فرماتے ہیں۔

بُلبل والی حدیث سے ۱۱۰ مسائل کا استنباط

یاد آیا کہ شمائل ترمذی میں حدیث ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک چھوٹے بھائی تھے، جو بچے تھے، انہوں نے ایک بُلبل پال رکھا تھا، وہ بُلبل مرگیا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن ان کے پاس تشریف لے گئے تو اس بچے سے آپ نے پوچھا:

يا أبا عُمير ما فعل النُغير؟

اے **ابو عُمیر**! تم نے وہ جو بلبل پال رکھا تھا، اس کا کیا ہوا؟ صرف ایک اس حدیث سے حضرات فقہاء کرام نے ایک سو دس (۱۱۰) فقہی مسائل نکالے ہیں۔ اور ایک **محدث** نے اس ایک حدیث کی تشریح اور اس سے نکلنے والے احکام پر مستقل کتاب **لکھی** ہے۔

سلام کے جواب کے لئے تیمّم کرنا جائز ہے

بہر **حال**، ان صحابی کے سلام کے جواب کے لئے آپ نے پہلے تیمّم فرمایا پھر سلام کا جواب دیا۔ اس حدیث سے بھی فقہاء کرام نے بہت سے مسائل نکالے ہیں۔ چنانچہ اس حدیث سے فقہاء نے ایک مسئلہ یہ نکالا ہے کہ جس کام کے لئے وضو کرنا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے تو اس کام کے لئے وضو کے بجائے تیمّم کرنا جائز ہے۔ **مثلاً** دعا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے وضو کو ضروری اور واجب قرار نہیں دیا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنا دروازہ کھٹکھٹانے اور دعا کرنے کو آسان کر دیا کہ اس کے لئے **وضو** کی شرط نہیں رکھی بلکہ پاکی کی شرط بھی نہیں رکھی، لہٰذا اگر کوئی شخص جنابت **اور** ناپاکی کی حالت میں بھی دعا کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ لیکن بہتر اور مستحب یہ ہے کہ آدمی دعا کرتے وقت باوضو ہو اور اگر وضو کا موقع نہ ہو تو تیمّم کر لے، کیونکہ تیمّم کر کے دعا کرنا بے وضو دعا کرنے سے بہتر ہے۔ اگرچہ اس تیمّم سے نماز پڑھنا اور ایسے کام کرنا جائز نہیں ہوگا جن کے لئے وضو کرنا واجب ہے، لیکن اس تیمّم سے دعا کر سکتا ہے۔

ذکر کے لئے تیمّم کرنا

مثلاً کوئی شخص ذکر کرنا چاہتا ہے یا تسبیح پڑھنا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنا نام لینا اتنا آسان فرمادیا ہے کہ اس کے لئے وضو کی شرط نہیں، البتہ باوضو ہو کر ذکر کرنا مستحب ہے، لہٰذا اگر وضو کرنے کا موقع نہیں ہے اور ذکر کرنا چاہتا ہے تو کم از کم یہ کرے کہ تیمّم کر کے ذکر کر لے، کیونکہ تیمّم کر کے ذکر کرنا بے وضو ذکر کرنے سے بہتر ہے۔ البتہ اس تیمّم سے کسی قسم کی نماز پڑھنا جائز نہیں ہوگا۔

دوسرے کی دیوار سے تیمّم کرنا

فقہاء کرام نے اس حدیث سے دوسرا مسئلہ یہ نکالا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دیوار سے تیمّم فرمایا اور وہ کسی دوسرے شخص کے گھر کی دیوار تھی، تو اب سوال یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے شخص کے گھر کی دیوار کو اس کی اجازت کے بغیر تیمّم کے لئے کیسے استعمال فرمایا؟ اس لئے کہ دوسرے کی چیز اس کی اجازت اور اس کی خوشدلی کے بغیر استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ فقہاء کرام نے یہ سوال اٹھایا، وہ بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اٹھایا کہ آپ نے وہ دیوار کس طرح استعمال فرمائی۔

پھر فقہاء کرام نے اس کا جواب بھی خود دیا، کہ بات دراصل یہ تھی کہ مکان کے باہر کی دیوار سے تیمّم کرنے کی صورت میں یہ بات سو فیصد یقینی تھی کہ کوئی بھی آپ کو اس عمل سے منع نہ کرتا، اس لئے آپ کے لئے اس دیوار سے تیمّم کرنا جائز تھا۔ لہٰذا جہاں اس بات کا سو فیصد مکمل یقین ہو کہ دوسرا شخص نہ

صرف یہ کہ اس کو استعمال کرنے کی اجازت دیگا بلکہ وہ خوش ہوگا تو اس صورت میں اس چیز کا استعمال کر لینا جائز ہے۔ اب آپ اندازہ لگائیں کہ فقہاء کرام نے کتنی باریک بات کو پکڑ لیا۔

کسی قوم کی کوڑی کو استعمال کرنا

فقہاء کرام نے یہی سوال ایک اور حدیث پر بھی اٹھایا ہے، وہ حدیث شریف یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کہیں تشریف لے جارہے تھے، آپ کو پیشاب کرنے کی حاجت ہوئی، ایک جگہ پر کسی قوم کی "کوڑی" تھی، جہاں لوگ اپنا کچرا ڈالتے تھے، اس "کوڑی" پر آپ نے پیشاب کیا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ "اتی سُبَاطَة قَوْمٍ" یعنی کسی قوم کے کوڑا ڈالنے کی جگہ پر آپ پہنچے۔ اب فقہاء نے اس پر سوال اٹھایا ہے کہ وہ کوڑا ڈالنے کی جگہ کسی قوم کی ملکیت تھی تو آپ نے اس کو ان کی اجازت کے بغیر کیسے استعمال فرمالیا؟

پھر خود ہی فقہاء نے اس کا جواب بھی دیا کہ دراصل وہ عام استعمال کی جگہ تھی اور اسی مقصد کے لئے وہ جگہ چھوڑی گئی تھی، لہٰذا کسی شخص کی ملکیت میں کوئی خلل ڈالنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

میزبان کے گھر کی چیز استعمال کرنا

اس سے آپ اندازہ لگائیں کہ شریعت میں کسی دوسرے شخص کی چیز کو استعمال کرنے کے بارے میں کتنی حساسیت پائی جاتی ہے۔ مثلاً ہم دوسرے شخص کے گھر مہمان بن کر گئے، اب اگر اس کے گھر کی کوئی چیز آپ کو استعمال کرنی ہے

تو استعمال کرنے سے پہلے ذرا یہ سوچو کہ میرے لئے اس کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ سوچو کہ میرے استعمال کرنے سے میزبان خوش ہوگا یا اس کے دل میں تنگی پیدا ہوگی؟ اگر اس کے دل میں تنگی پیدا ہونے کا ذرا بھی اندیشہ ہو تو اس صورت میں اس چیز کو آپ کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں۔

ہمارے معاشرے میں اس بارے میں بہت بے احتیاطی پائی جاتی ہے، چنانچہ ہوتا یہ ہے کہ دوست کے گھر میں چلے گئے اور سوچا کہ یہ تو ہمارا بے تکلف دوست ہے، اب دوستی اور بے تکلفی کی مد میں اس کو لوٹنا شروع کر دیا اور اس کی چیزوں کو استعمال کرنا شروع کر دیا۔ یہ جائز نہیں، کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف صاف فرمادیا کہ مذاق میں بھی دوسرے کی چیز اٹھا کر استعمال کرنا جائز نہیں، تو پھر سنجیدگی میں کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ہمیں اس بات کا جائزہ لینا چاہئے کہ ہم بے تکلفی کی آڑ میں کہاں کہاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔

بیٹے کے کمرے میں داخل ہونے کے لئے اجازت

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ساری عمر یہ معمول ہم نے دیکھا کہ جب کبھی آپ کسی کام سے اپنی اولاد کے کمرے میں داخل ہونے کا ارادہ فرماتے تو داخل ہونے سے پہلے اجازت لیتے، حالانکہ وہ کمرہ ہماری ملکیت نہیں ہوتا تھا، انہی کی ملکیت ہوتا تھا، اس کے باوجود پہلے اجازت لیتے کہ اندر آجائیں۔ اور اگر کبھی حضرت والد صاحب کو وہ چیز استعمال کرنے کی

ضرورت پیش آتی جو ہمارے استعمال میں ہے، تو ہمیشہ پہلے پوچھ لیتے کہ یہ تمہاری چیز میں استعمال کرلوں؟ اب آپ اندازہ لگائیں کہ ایک باپ اپنے بیٹے سے پوچھ رہا ہے کہ میں تمہاری چیز استعمال کرلوں؟ حالانکہ حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "انت ومالك لابيك" یعنی تم خود اور تمہارا مال سب تمہارے باپ کا ہے، لیکن اس کے باوجود اس درجہ احتیاط تھی کہ بیٹے سے پوچھ کر اس کی چیز استعمال فرمارہے ہیں، تو جب اپنی اولاد کی چیز استعمال کرنے میں یہ احتیاط ہونی چاہئے تو جن کے ساتھ یہ رشتہ نہیں ہے، ان کی چیزوں کو ان کی اجازت کے بغیر استعمال کرنا کتنی سنگین بات ہے۔

اطلاع کے بغیر دوسرے کے گھر جانا

یہ تمام چیزیں ہم نے اپنے دین سے خارج کردی ہیں، بس آج کل تو عبادات کا اور نماز روزے کا نام دین سمجھ لیا ہے، اور اس سے آگے جو معاملات ہیں ان کو ہم نے دین سے خارج کردیا ہے۔ مثلاً کسی دوسرے کے گھر میں اطلاع کے بغیر کھانے کے وقت پہنچ جانا دین کے خلاف ہے۔ جیسے آج کل ہوتا ہے کہ پیر صاحب اپنے مریدوں کا لشکر لے کر کسی مرید پر حملہ آور ہوگئے، اور پیر صاحب کے ذہن میں یہ ہے کہ یہ تو ہمارا مرید ہے۔ لہٰذا اس کو تو ہر حال میں ہماری خاطر تواضع کرنی ہی کرنی ہے۔ یہ میں آپ کو آنکھوں دیکھا واقعہ بتارہا ہوں۔ اب وہ مرید بیچارہ پریشان کہ عین وقت پر میں کیا انتظام کروں، اتنی بڑی فوج آگئی ہے اس کے لئے کہاں سے تواضع کا انتظام کروں؟۔ اب دیکھئے!

نمازیں بھی ہو رہی ہیں، تہجد، اشراق، چاشت، ذکر واذکار، سب عبادات ہو رہی ہیں، اور پیر صاحب بنے ہوئے ہیں۔ لیکن بغیر اطلاع کے مرید کے گھر پہنچ گئے۔ یاد رکھئے! یہ اس حدیث کے اندر داخل ہے جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لا يحل مال امرئي مسلم الا بطيب نفس منه" لیکن پیر صاحب کو اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ اس سے مرید کو تکلیف ہو رہی ہے یا پریشانی ہو رہی ہے، یا اس کا مال اس کی خوش دلی کے بغیر حاصل کیا جارہا ہے۔ آج ہمارے معاشرے میں یہ باتیں پھیل گئی ہیں اور اس کو دین کا حصہ ہی نہیں سمجھتے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی صحیح فہم عطا فرمائے اور ہر چیز کو اس کے مقام پر رکھنے کا ذوق عطا فرمائے کہ جس چیز کا جو مقام ہے اسی کے مطابق اس پر عمل ہو۔

خوش دلی کے بغیر چندہ لینا

اسی طرح آج کل چندہ کا مسئلہ ہے، یہ چندہ خواہ کسی بھی نیک مقصد کے لئے ہو، چاہے مدرسے کے لئے ہو، چاہے مسجد کے لئے ہو، یا جہاد کے لئے ہو، یا تبلیغ کے لئے ہو، لیکن اگر چندہ کرتے وقت کسی موقع پر ذرا سا بھی دباؤ کا عنصر آجائے گا تو وہ چندہ حرام ہو جائے گا۔ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا اس موضوع پر مستقل رسالہ ہے، جس میں انہوں نے فرمایا کہ آج کل جو چندہ کا طریقہ ہے کہ بڑی شخصیات اپنی شخصیت کا دباؤ ڈال کر چندہ وصول کرتے ہیں، کیونکہ اگر مدرسے کے کسی معمولی سفیر کو چندہ کے لئے بھیجا جائے گا تو چندہ کم وصول ہو گا، لہٰذا کسی بڑے اور صاحب حیثیت کو چندہ کے لئے

بھیجا جائے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جس کے پاس وہ صاحب حیثیت چندہ کے لئے پہنچے گا تو وہ یہ سوچے گا کہ اتنا بڑا آدمی میرے پاس آیا ہے تو اب تھوڑے پیسے کیا دوں، چنانچہ وہ زیادہ پیسے دیگا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ در حقیقت شخصیت کا دباؤ ڈالنا ہے، اور شخصیت کا دباؤ ڈال کر جو چندہ وصول کیا جائے گا وہ خوش دلی کا چندہ نہیں ہوگا، اور جب وہ چندہ خوش دلی کا نہیں ہے تو وہ حرام ہے اور اس حدیث کے تحت داخل ہے جس میں آپ نے فرمایا: "**لا یحل مال امرئی مسلم إلا بطیب نفس منه**"

عام مجمع میں چندہ کرنا

اسی طرح عام مجمع کے اندر چندہ کا اعلان کر کے وہیں چندہ جمع کیا جارہا ہے، اب جو صاحبِ حیثیت اس مجمع کے اندر بیٹھا ہے، وہ سوچ رہا ہے کہ سب لوگ تو چندہ دے رہے ہیں، اگر میں چندہ نہیں دوں گا تو میری ناک کٹ جائے گی، اور اگر تھوڑا چندہ دونگا تو بھی بے عزتی ہو جائے گی، لہٰذا مجھے زیادہ دینا چاہئے۔ اب اس دباؤ میں آکر اس نے زیادہ چندہ دیدیا۔ یاد رکھئے! اس دباؤ میں آکر جو چندہ دیگا وہ خوش دلی کا چندہ نہیں ہے اور اس حدیث کے تحت داخل ہے جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "**لا یحل مال امرئی مسلم الا بطیب نفس منه**" اسی لئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا اپنے متعلقین کے لئے عام معمول یہ تھا کہ عام مجمع میں چندہ کرنے کی اجازت نہیں تھی، اس لئے کہ اس میں لوگ شرما حضوری میں اور مروّت میں آکر چندہ دیدیتے ہیں جو جائز اور حلال

نہیں۔

غزوہ تبوک کے واقعہ سے اشکال اور اس کا جواب

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات میں نے ایک مرتبہ بیان کی تو ایک صاحب نے کہا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی غزوہ تبوک کے موقع پر مجمع میں چندہ کیا تھا۔ جب غزوہ تبوک میں ضرورت پیش آئی تو آپؐ نے کھڑے ہو کر اعلان فرمایا کہ اس وقت جہاد کے لئے سامان کی شدید ضرورت ہے، جو شخص بھی اس میں خرچ کرے گا اس کو یہ ثواب ملے گا، چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ اعلان سن کر گھر کا سارا مال لیکر آگئے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مجمع میں چندہ کا اعلان فرمایا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ اسی وقت اور اسی جگہ پر چندہ کرو، بلکہ آپ نے یہ اعلان فرمادیا تھا کہ اتنی ضرورت ہے، جو شخص بھی اپنی سہولت کے مطابق جس وقت جتنا چاہے لاکر دے دے، چنانچہ صحابہ کرام بعد میں اشیاء لالا کر جمع کراتے رہے۔ یہ اعلان نہیں تھا کہ ابھی اور یہیں جمع کرو۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ صحابہ کرام کے حالات کو ہم اپنے حالات پر کہاں قیاس کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کے اخلاق ایسے مصفی مزکی اور مجلی فرمادیے تھے کہ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں تھا جو محض دکھاوے کی خاطر چندہ دے، اللہ کے لئے چندہ دینا ہوتا دیتے، نہ دینا ہوتا تو نہ دیتے۔ ہمارے معاشرے

کے لوگ دباؤ میں آجاتے ہیں، اور اس دباؤ کی نتیجے میں شرما شرمی میں دینے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا آج کل کے حالات کو صحابہ کرام کے حالات پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ اسلئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عام مجمع میں اس طرح چندہ کرنا جس طرح عام دستور ہے، یہ جائز نہیں، کیونکہ ایسے چندے میں خوشدلی کا عنصر مفقود ہوتا ہے۔

چندہ کرنے کا صحیح طریقہ

چندہ کرنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ آپ لوگوں کو متوجہ کردیں کہ یہ ایک ضرورت ہے اور دین کا صحیح مصرف ہے اور اس میں دینے میں ثواب ہے۔ لہٰذا جو چاہے اپنی خوشی کے ساتھ جب چاہے اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اور ثواب کے حصول کے لئے چندہ دیدے۔ یہ تمام احکام اسی حدیث سے نکل رہے ہیں کہ کوئی شخص دوسرے کا مال اور دوسرے کا سامان نہ تو سنجیدگی میں لے اور نہ مذاق میں لے۔

عاریت کی چیز جلدی واپس نہ کرنا

پھر حدیث میں ایک جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ: "فإذا اخذ احدکم عصی صاحبه فلیردھا إلیه" یعنی اگر تم نے کسی وقت دوسرے کی لاٹھی بھی لے لی ہے تو اس کو واپس کردے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے کوئی چیز عاریتاً استعمال کے لئے لے لی ہے اور اس نے خوش دلی سے تمہیں دیدی ہے، خوش دلی سے اس نے وہ چیز دیکر کوئی جرم نہیں کیا، لہٰذا جب تمہاری وہ ضرورت پوری ہو جائے

جس ضرورت کے لئے تم نے وہ چیز لی تھی تو پھر اس چیز کو جلد از جلد واپس لوٹاؤ۔ اس بارے میں بھی ہمارے یہاں کوتاہیاں اور غفلتیں ہوتی ہیں۔ ایک چیز کسی ضرورت کی وجہ سے کسی سے لے لی تھی، اب وہ گھر میں پڑی ہے، واپس کرنے کی فکر نہیں۔ ارے بھائی! جب تمہاری ضرورت پوری ہو گئی تو اب واپس کرو، اب جس شخص کی وہ چیز ہے ہو سکتا ہے کہ اس کو استعمال کرنے کی ضرورت ہو، لیکن وہ مانگتے ہوئے شرماتا ہو کہ اس کے پاس جاکر وہ چیز کیا مانگوں۔ اب اگر تم اس چیز کو استعمال کرو گے تو تم اس کی خوش دلی کے بغیر استعمال کرو گے، لہٰذا یہ استعمال کرنا تمہارے لئے حرام ہے۔

کتاب لے کر واپس نہ کرنا

اسی طرح ہمارے معاشرے میں یہ مسئلہ باقاعدہ گھڑ لیا گیا ہے کہ کتاب کی چوری، یہ کوئی چوری نہیں ہوتی یعنی اگر کسی دوسرے سے کتاب پڑھنے کے لئے لے لی تو اب اس کتاب کو واپس کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ لہٰذا مطالعے کے بعد کتاب گھر میں پڑی ہے، اس کی واپسی کی کوئی فکر نہیں ہوتی۔ جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ جب تم نے دوسرے کی کوئی چیز لی ہو تو اس کو واپس کرنے کی فکر کرو اور جلد از جلد اس کو اصل مالک تک واپس پہنچاؤ۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

خاندانی اختلافات کے اسباب اور ان کا حل

پہلا سبب

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
١٨٨/١۔لیاقت آباد، کراچی ١٩

مقام خطاب ـــــ جامع مسجد دارالعلوم کراچی

وقتِ خطاب ـــــ بعد عصر تا مغرب

تعداد صفحات ـــــ ۳۴

جلد نمبر ـــــ ۱۱

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

خاندانی اختلافات اور ان کا حل

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِىَ لَهٗ وَأَشْهَدُاَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُاَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا ـ

أَمَّا بَعْدُ! عن أبی الدرداء رضی اللّٰه تعالیٰ عنه عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال: اَلا أخبركم بافضل من درجة الصيام والصلوٰة والصدقة قالوا: بلٰی قال: اصلاح ذات البين، وفساد ذات البين الحالقة۔

(ابوداؤد، کتاب الادب، باب مافی اصلاح ذات البین)

امّت محمّدیہ کے حکیم

یہ حدیث حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابہ کرام میں بڑے اونچے درجے کے اولیاء اللہ میں سے ہیں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو "حکیم ہذۃ الامّۃ" کا لقب عطا فرمایا تھا یعنی یہ امّت محمّدیہ ﷺ کے حکیم ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو "حکمت" عطا فرمائی تھی۔

سوال کے ذریعہ طلب پیدا کرنا

وہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے پوچھا: کیا میں تمہیں ایسا درجہ نہ بتاؤں جو نماز، روزے اور صدقے سے بھی افضل ہے؟ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا انداز گفتگو تھا کہ جب کسی چیز کی اہمیت بیان کرنی منظور ہوتی تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے خود ہی سوال فرمایا کرتے تھے، تاکہ ان کے دل میں طلب

پیدا ہو جائے۔ اگر دل میں طلب ہو تو اس وقت جو بات کہی جائے اس کا اثر بھی ہوتا ہے، اور اگر دل میں طلب نہ ہو تو کیسی بھی اچھی سے اچھی بات کہہ دی جائے، کیسا ہی اچھے سے اچھا نسخہ بتا دیا جائے، بہتر سے بہتر تعلیم دیدی جائے، ان چیزوں سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ یہ طلب بڑی چیز ہے۔

دین کی طلب پیدا کریں

اس لئے بزرگان دین نے فرمایا کہ انسان کی کامیابی کا راز اس میں ہے کہ انسان اپنے اندر دین کی طلب اور دین کی باتوں پر عمل کرنے کی طلب پیدا کر لے۔ جب یہ طلب پیدا ہو جاتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ خود نواز دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی سنّت یہی ہے۔ اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

آب کم جو تشنگی آور بدست
تا بجوشد آب از بالا وپست

یعنی پانی کم تلاش کرو، پیاس زیادہ پیدا کرو، جب پیاس پیدا ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی سنّت یہ ہے کہ پھر اوپر اور نیچے ہر طرف سے پانی جوش مارتا ہے۔ یہ طلب بڑی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہم سب کے دلوں میں پیدا فرمادے۔ آمین۔

”طلب“ بے چینی پیدا کرتی ہے

یہ ”طلب“ ہی وہ چیز ہے کہ جب ایک مرتبہ انسان کے اندر پیدا ہو جائے تو پھر انسان کو چین لینے نہیں دیتی، بلکہ اس کو بیتاب رکھتی ہے، جب تک انسان کو مقصود حاصل نہ ہو جائے انسان کو چین نہیں آتا۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ جب انسان کو بھوک لگ جائے اور ”بھوک“ کے معنی ہیں ”کھانے کی طلب“ تو جب انسان کو بھوک لگی ہوئی ہو گی تو کیا انسان کو چین آئے گا؟ کس دوسرے کام کو کرنے کا دل چاہے گا؟ جب کھانے کی طلب لگی ہوئی ہے تو آدمی کو اس وقت تک چین نہیں آئے گا جب تک کہ اس کو کھانا نہ مل جائے۔ اگر انسان کو پیاس لگی ہوئی ہے تو ”پیاس“ کے معنی ہیں ”پانی کی طلب“ جب تک پانی نہیں مل جائے گا اس وقت تک چین نہیں آئے گا۔

اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں ”دین“ کی بھی ایسی ہی طلب پیدا فرما دے، جب یہ طلب پیدا ہو جاتی ہے تو انسان کو اس وقت تک چین نہیں آتا جب تک دین حاصل نہ ہو جائے بلکہ بے چینی لگی رہتی ہے۔

صحابہؓ اور دین کی طلب

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا یہی حال تھا کہ ان میں سے ہر شخص کو یہ بے چینی لگی ہوئی تھی کہ مرنے کے بعد میرا کیا انجام ہونا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے، اس کے بعد یا جہنم ہے یا

جنّت ہے، لیکن مجھے نہیں معلوم کہ میرا انجام کیا ہونے والا ہے، اس بے چینی کا نتیجہ یہ تھا کہ صبح سے لے کر شام تک معمولی معمولی کاموں میں بھی فکر لگی ہوئی ہے کہ معلوم نہیں کہ یہ کام اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے مطابق ہے یا نہیں؟ کہیں اس کی وجہ سے میں جہنم کا مستحق تو نہیں ہوگیا۔

حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فکر آخرت

یہاں تک کہ حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور آکر عرض کیا کہ "یا رسول اللہ ﷺ! نافق حنظلة" حنظلہ تو منافق ہو گیا، اپنے بارے میں کہہ رہے ہیں کہ میں تو منافق ہو گیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ کیسے منافق ہو گئے؟ انہوں نے فرمایا کہ جب میں آپ ﷺ کی مجلس میں بیٹھتا ہوں تو اس وقت تو آخرت کی فکر لگی ہوتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنّت اور جہنم کو اپنی آنکھوں سے اپنے سامنے دیکھ رہے ہیں، اور اس کی وجہ سے دل میں رقت اور نرمی پیدا ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، لیکن جب آپ کی مجلس سے اٹھ کر بیوی بچوں کے پاس گھر جاتے ہیں تو اس وقت دل کی یہ کیفیت باقی نہیں رہتی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں تو منافق ہو گیا، اس لئے کہ آپ کے پاس ایک حالت ہوتی ہے اور گھر جا کر دوسری حالت ہو جاتی ہے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اطمینان دلایا اور فرمایا کہ

اے حنظلہ! یہ وقت وقت کی بات ہوتی ہے، کسی وقت انسان پر ایک حال کا غلبہ ہو جاتا ہے اور دوسرے وقت دوسری حالت کا غلبہ ہو جاتا ہے، اس لئے پریشان نہ ہوں، بلکہ جو کام اللہ تعالیٰ نے بتائے ہیں ان میں لگے رہو، انشاء اللہ بیڑا پار ہو جائے گا۔ لہٰذا یہ فکر کہ میں کہیں منافق تو نہیں ہو گیا، یہ آخرت کی طلب ہے جو بے چین کر رہی ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور فکر آخرت

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اتنے بڑے جلیل القدر صحابی، خلیفہ ثانی، جن کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما دیا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتے، اور جن کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس راستے سے عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) گزر جاتے ہیں، اس راستے سے شیطان نہیں گزرتا، شیطان راستہ بدل دیتا ہے۔ وہ عمر جن کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے جنّت کے اندر تمہارا محل دیکھا ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ تمام باتیں سننے کے باوجود آپؓ کا یہ حال تھا کہ آپؓ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قسم دے کر پوچھتے ہیں کہ اے حذیفہ! خدا کے لئے یہ بتاؤ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کی جو فہرست تمہیں بتائی ہے، ان میں کہیں میرا نام تو نہیں ہے؟ یہ فکر اور طلب لگی ہوئی ہے۔

طلب کے بعد مدد آتی ہے

اور جب طلب لگ جاتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے عطا فرما ہی دیتے ہیں۔ اس لئے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

آب کم جو تشنگی آور بدست
تا بجوشد آب از بالا وپست

"پانی تلاش کرنے سے زیادہ پیاس پیدا کرو" دل میں ہر وقت کھٹک اور بے چینی اور بیتابی لگی ہوئی ہو کہ مجھے صحیح بات کا علم ہو جائے، اور جب یہ طلب پیدا ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے عطا فرما ہی دیتے ہیں، ان کی سنّت یہ ہے کہ کسی سچے طالب کو جس کے دل میں طلب صادق ہو آج تک اللہ تعالیٰ نے رد نہیں فرمایا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کا یہ انداز تھا کہ آپ حضرات صحابہؓ میں پہلے طلب پیدا فرماتے تھے۔ اس لئے پہلے آپ نے ان سے سوال کیا کہ کیا میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا اور اجر و ثواب کا ایسا درجہ نہ بتاؤں جو نماز سے بھی افضل، روزوں سے بھی افضل اور صدقہ سے بھی افضل ہو؟ یہ سوال کر کے ان کے اندر شوق اور طلب پیدا فرما رہے ہیں۔

نماز کے ذریعہ قرب خداوندی

صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ضرور بتایئے۔ اس

لئے کہ صحابہ کرامؓ کو تو ہر وقت یہ دھن لگی ہوئی تھی کہ کونسی چیز ایسی ہے جو اللہ تعالیٰ کا قرب عطا کرنے والی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی رضا عطا کرنے والی ہے۔ اور اب تک روزے کی نماز کی اور صدقے کی فضیلت سن چکے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز دین کا ستون ہے۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ بندہ نوافل کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے اور جتنے نوافل زیادہ پڑھتا ہے وہ اتنا ہی میرے قریب ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ ایک درجہ ایسا آجاتا ہے کہ میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، گویا کہ نوافل کی کثرت کے نتیجے میں وہ انسان اللہ تعالیٰ کے اتنا قریب ہو جاتا ہے کہ اس انسان کا سراپا اللہ تعالیٰ کی رضا کا مظہر بن جاتا ہے۔ صحابہ کرام نماز کی یہ فضیلت سن چکے تھے، اس لئے ان کے ذہنوں میں یہ تھا کہ نماز سے زیادہ افضل کیا چیز ہو گی۔

روزے کی فضیلت

روزے کی یہ فضیلت بھی صحابہ کرامؓ سن چکے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دوسری عبادتوں کا اجر تو میں نے مقرر کر دیا ہے کہ فلاں عبادت کا ثواب دس گنا، فلاں عبادت کا ثواب سو گنا اور فلاں عبادت کا ثواب سات سو گنا، لیکن روزے کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ **الصوم لی وأنا**

أجزی بہ (نسائی، کتاب الصیام، باب فضل الصیام) یہ روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔ یعنی روزے کا جو اجر و ثواب میں عطا کرنے والا ہوں وہ تمہاری گنتی میں اور تمہارے پیانوں میں اس اجر و ثواب کا تصور آہی نہیں سکتا، یہ روزہ چونکہ میرے لئے ہے، اس لئے اس کا اجر و ثواب بھی اپنی شان کے مطابق دوں گا، اپنی عظمت کے مطابق دوں گا۔ صحابہ کرامؓ روزے کی یہ فضیلت سن چکے تھے۔ اس لئے ان کے ذہنوں میں یہ تھا کہ روزہ بہت زیادہ افضل عبادت ہے۔

صدقہ کی فضیلت

صحابہ کرامؓ صدقہ کی یہ فضیلت سن چکے تھے کہ اللہ کے راستے میں صدقہ کرنے سے سات سو گنا اجر و ثواب ملنا تو یقینی ہے اور یہ سات سو گنا ثواب بھی ہمارے حساب سے نہیں بلکہ جنّت کے حساب سے ملنا ہے۔ اس لئے صحابہ کرامؓ یہ سمجھتے تھے کہ صدقہ کرنا بہت افضل عبادت ہے۔

سب سے افضل عمل جھگڑے ختم کرانا

اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ کیا میں ایسی چیز نہ بتاؤں جو اس نماز سے بھی افضل ہے، اس روزے سے بھی افضل ہے، اس صدقہ کرنے سے بھی افضل ہے جن کی فضیلتیں تم نے سن رکھی ہیں؟ چنانچہ یہ سن کر صحابہ کرامؓ کے دل میں شوق پیدا ہوا اور انہوں نے

عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! وہ چیز ضرور بتائیں تاکہ ہم وہ چیز حاصل کریں اور اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ ہمیں ان عبادات سے بھی زیادہ ثواب عطا فرما دیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ چیز:

"صلاح ذات البین"

ہے، یعنی اگر دو مسلمانوں کے درمیان ناچاقی، اختلاف اور کٹاؤ ہو گیا ہے یا دو مسلمانوں کے درمیان جھگڑا کھڑا ہو گیا ہے اور دونوں ایک دوسرے کی صورت دیکھنے کے روادار نہیں ہیں تو اب کوئی ایسا کام کرو جس کے نتیجے میں ان کے درمیان وہ جھگڑا ختم ہو جائے اور دونوں کے دل آپس میں مل جائیں اور دونوں ایک ہو جائیں۔ تمہارا یہ عمل نماز سے بھی افضل ہے، روزے سے بھی افضل ہے، صدقہ سے بھی افضل ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ انداز بیان تھا۔

صلح کرانا نفل نماز روزے سے افضل ہے

لیکن ایک بات یاد رکھیں کہ اس حدیث میں نماز روزے سے نفلی نماز روزے مراد ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر ایک طرف تم ساری رات نفلی نمازیں پڑھتے رہو، سارا دن نفلی روزے رکھو اور بہت سا مال نفلی صدقہ کرو، تو ان میں سے ہر کام بڑی فضیلت اور ثواب کا ہے لیکن دوسری طرف دو مسلمان بھائیوں کے درمیان جھگڑا ہے، اور اس جھگڑے کی وجہ سے دونوں کے درمیان ناچاقی پیدا ہو گئی ہے، تو اس جھگڑے کو ختم کرنے کے

لئے اگر تم تھوڑا سا وقت صرف کرو گے اور ان کے دل اور گلے ملوا دو گے اور ان کے درمیان محبّت پیدا کرا دو گے تو اس صورت میں تم نے جو ساری رات نفل نمازیں پڑھی تھیں، نفل روزے رکھے تھے اور سینکڑوں روپے نفل صدقہ کے طور پر دیئے تھے، ان سب سے زیادہ اجر و ثواب تمہیں اس عمل میں حاصل ہو جائے گا۔ آپ اندازہ کریں کہ کتنی بڑی بات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمادی۔

آپس کے اختلافات دین کو مونڈنے والے ہیں

ایک طرف تو یہ فرمادیا کہ مسلمانوں کے درمیان آپس میں محبّتیں بھائی چارہ اور اخوّت قائم کرنا تمام نفلی عبادتوں سے افضل ہے، اور دوسری طرف اگلا جملہ اس کے بالکل برعکس ارشاد فرمادیا کہ:

"وفساد ذات البين هى الحالقة"

یعنی آپس کے جھگڑے، آپس کی نفرتیں اور ناچاقیاں یہ مونڈنے والی چیزیں ہیں۔ ایک دوسری حدیث میں اس کی تشریح کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں یہ نہیں کہتا کہ آپس کے یہ جھگڑے تمہارے بالوں کو مونڈنے والے ہیں، بلکہ یہ جھگڑے تمہارے دین کو مونڈنے والے ہیں۔ کیونکہ جب آپس میں نفرتیں ہوتی ہیں اور جھگڑے ہوتے ہیں تو اس جھگڑے کی وجہ سے انسان نہ جانے کتنے بے شما گناہوں کے اندر مبتلا ہو جاتا ہے، ان جھگڑوں کے نتیجے میں ایک دوسرے کی غیبت ہوتی ہے، ایک

دوسرے پر بہتان لگایا جاتا ہے، ایک دوسرے کی ایذاء رسانی ہوتی ہے، ایک دوسرے پر تہمتیں لگائی جاتی ہیں۔ تو یہ جھگڑے بے شمار گناہوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔

جھگڑوں کی نحوست

ان جھگڑوں کی نحوست یہ ہوتی ہے کہ انسان دین سے بیگانہ ہو جاتا ہے اور دین کا نور جاتا رہتا ہے اور دل میں ظلمت پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جابجا یہ تاکید فرمائی کہ آپس کے جھگڑوں سے بچو۔

مصالحت کے لئے آپ ﷺ کا جماعت چھوڑ دینا

دیکھئے! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پوری حیات طیّبہ میں مسجد نبوی میں امامت کے فرائض انجام دیتے رہے، ظاہر ہے کہ آپ کی موجودگی میں کون نماز پڑھائے گا، اور آپ ﷺ سے زیادہ کون نماز باجماعت کی پابندی کرے گا، لیکن پوری حیات طیّبہ میں صرف ایک مرتبہ آپ ﷺ نماز کے وقت مسجد نبوی میں تشریف نہیں لا سکے، یہاں تک کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز پڑھائی۔ اور نماز کے وقت حاضر نہ ہونے کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ چلا کہ فلاں قبیلے میں مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان جھگڑا ہو گیا

ہے، چنانچہ ان کے جھگڑے کو ختم کرانے کے لئے اور ان کے درمیان صلح کرانے کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس قبیلہ میں تشریف لے گئے، اس مصالحت کرانے میں دیر لگ گئی، یہاں تک نماز کا وقت آ گیا۔ صحابہ کرامؓ نے جب دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم موجود نہیں ہیں، تو اس وقت حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے امامت فرمائی اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بعد میں تشریف لائے۔

پوری حیات طیّبہ میں صرف یہ ایک واقعہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحت کی حالت میں نماز کے وقت مسجد نبوی میں تشریف نہ لاسکے، اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ آپ لوگوں کے درمیان مصالحت کرانے اور جھگڑا ختم کرانے کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ اس لئے قرآن و حدیث ان ارشادات سے بھرے ہوئے ہیں کہ خدا کے لئے مسلمانوں کے درمیان جھگڑوں کو کسی قیمت پر برداشت نہ کرو، جہاں کہیں جھگڑے کا کوئی سبب پیدا ہو، فوراً اس کو ختم کرانے کی کوشش کرو، اس لئے کہ یہ جھگڑے دین کو مونڈ دینے والے ہیں۔

جنّت کے بیچ میں مکان دلانے کی ضمانت

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أنا زعيم ببيت في وسط الجنة لمن ترك المراء وهو محقّ۔

میں اس شخص کیلئے جنّت کے بیچوں بیچ گھر دلوانے کی ضمانت لیتا ہوں جو شخص حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دے۔ یعنی وہ شخص حق پر تھا اور حق پر ہونے کی وجہ سے اگر وہ چاہتا تو اپنے اس حق کو وصول کرنے کے لئے مقدّمہ دائر کر دیتا، یا کوئی اور ایسا طریقہ اختیار کرلیتا جس کے نتیجے میں اس کو اس کا حق مل جاتا، لیکن اس نے یہ سوچ کر کہ جھگڑا بڑھے گا اور جھگڑا بڑھانے سے کیا فائدہ، لہٰذا اپنا حق ہی چھوڑ دیا۔ ایسے شخص کے لئے آپ نے فرمایا کہ میں اس کو جنّت کے بیچوں بیچ گھر دلوانے کا ذمہ دار ہوں۔ اتنی بڑی بات سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادی، یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔

یہ ضمانت دوسرے اعمال پر نہیں

یہ ذمہ داری حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی دوسرے عمل پر نہیں لی لیکن حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑنے والے کے لئے یہ ذمہ داری لے رہے ہیں۔ اس کے ذریعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ تعلیم دے رہے ہیں کہ آپس کے اختلافات ختم کردو، اللہ کے بندے بن جاؤ اور آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ، اور جھگڑے کے جو جو اسباب ہو سکتے ہیں، ان کو بھی ختم کرو، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے وحدت میں اخوت میں اور محبّت میں ایک نور رکھا ہے، اس نور کے ذریعے انسان کی دنیا بھی روشن ہوتی ہے اور آخرت بھی روشن ہوتی ہے، اور اگر آپس میں جھگڑے ہوں،

فساد ہوں تو یہ ظلمت ہے، دنیا میں بھی ظلمت اور آخرت میں بھی ظلمت، جو انسان کے دین کو مونڈ کر رکھ دیتی ہے۔

قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں

ایک حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إذا التقى المسلمان بسيفيهما فالقاتل و المقتول كلاهما في النار۔

اگر دو مسلمان تلوار کے ذریعہ ایک دوسرے کا مقابلہ کرنے کھڑے ہو جائیں اور آپس میں لڑائی کرنا شروع کر دیں تو اگر ان میں سے ایک دوسرے کو قتل کر دے گا تو قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں جائیں گے۔ صحابہ کرامؓ نے سوال کیا یا رسول اللہ ﷺ! قاتل تو جہنم میں جائے گا کیونکہ اس نے ایک مسلمان کو ناحق قتل کیا، لیکن مقتول جہنم میں کیوں جائے گا؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا:

إنه كان حريصاً على قتل صاحبه۔

کیونکہ یہ مقتول بھی اپنے مدمقابل کو مارنے کے ارادے سے چلا تھا، اسی لئے تلوار اٹھائی تھی کہ اگر میرا داؤ چل گیا تو میں مار دوں گا، لیکن اتفاق سے داؤ اس کا نہیں چلا بلکہ دوسرے کا داؤ چل گیا، اس لئے یہ مقتول بن گیا اور وہ قاتل بن گیا، اس وجہ سے یہ بھی جہنم میں وہ بھی جہنم میں۔ اس لئے فرمایا کہ کسی مسلمان کے ساتھ لڑائی کا معاملہ ہرگز نہ کرو۔

حبشی غلام حاکم کی اتباع کرو

ایک اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی حبشی غلام بھی تم پر حاکم بن کر آجائے تو اس کے خلاف بھی تلوار مت اٹھاؤ، جب تک وہ کفر بواح کا ارتکاب نہ کرے، کیوں کہ اگر تم اس کے خلاف تلوار اٹھاؤ گے تو کوئی تمہارا ساتھ دے گا اور کوئی دوسرے کا ساتھ دے گا، اس کے نتیجے میں مسلمان دو گروہ میں تقسیم ہو جائیں گے اور ان کے درمیان منافرت پیدا ہو جائے گی، اور مسلمانوں کے درمیان افتراق، انتشار اور ناچاقی کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی قیمت پر بھی برداشت نہیں فرمایا۔ آپ نے فرمادیا کہ:

کونوا عباداللّٰہ اِخواناً۔

اے اللہ کے بندو! آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔

آج زندگی جہنم بنی ہوئی ہے

جب ہمارے ذہنوں میں عبادت کا خیال آتا ہے تو نماز روزے کا تو خیال آتا ہے، صدقہ کا خیال آتا ہے، ذکر اور تسبیح کا خیال آتا ہے، تلاوت قرآن کریم کا خیال آتا ہے، اور الحمدللہ یہ سب بھی اونچے درجے کی عبادتیں ہیں، لیکن سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ ان سے بھی اونچے درجے کی چیز مسلمانوں کے درمیان آپس میں صلح کرانا ہے۔ اور

آج ہمارا معاشرہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے اتنا دور چلا گیا ہے کہ قدم قدم پر منافرت ہے، جھگڑے اور لڑائیاں ہیں، نااتفاقیاں ہیں، اور اس کی وجہ سے زندگی جہنم بنی ہوئی ہے، حالانکہ آپ نے یہ فرمادیا کہ یہ چیز دین کو مونڈنے والی ہے، اس نے آج ہمارے دین کو مونڈ ڈالا ہے، جس کی وجہ سے اس کی شناعت، قباحت اور اس کی برائی ہمارے دلوں میں بیٹھی ہوئی نہیں ہے۔

لوگوں کے درمیان اختلاف ڈالنے والے کام کرنا

اگر ہمارے معاشرے میں کوئی بے نمازی ہے یا کوئی شراب پیتا ہے یا کسی اور گناہ میں مبتلا ہے، تو اس کو تو ہمارے معاشرے میں الحمد للہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ شخص برا کام کر رہا ہے، لیکن اگر کوئی شخص ایسا کام کر رہا ہے جس کی وجہ سے لوگوں کے درمیان لڑائیاں ہو رہی ہیں، جس کی وجہ سے مسلمانوں کے درمیان جھگڑے ہو رہے ہیں، تو اس کی طرف سے کسی کے دل میں یہ خیال نہیں آتا کہ یہ اتنا بڑا مجرم ہے جتنا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو مجرم قرار دے رہے ہیں، اور اس بات کی فکر بھی کسی کے دل میں نہیں ہے کہ ان جھگڑوں کو کیسے ختم کیا جائے؟ لہٰذا یہ بہت بڑا باب ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کھولا اور آپس میں صلح کرانے کو نماز روزے اور صدقے سے بھی افضل قرار دیا۔

ایسا شخص جھوٹا نہیں

یہاں تک کہ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمادیا کہ:

لیس الکذاب الذی ینمی خیراً۔

یعنی جو شخص ایک مسلمان بھائی کے دل میں دوسرے کی محبّت پیدا کرنے کے لئے اور نفرت دور کرنے کے لئے کوئی ایسی بات کہدے جو بظاہر خلاف واقعہ ہو، تو وہ جھوٹ بولنے والوں میں شمار نہیں ہوگا۔ مثلاً ایک شخص کو معلوم ہوا کہ فلاں دو مسلمان بھائیوں کے درمیان جھگڑا ہے اور دونوں ایک دوسرے سے نفرت کرتے ہیں، یہ شخص چاہتا ہے کہ دونوں کے درمیان محبّت ہو جائے، اب اگر یہ شخص جاکر ان میں سے کسی سے ایسی بات کہہ دے جو بظاہر خلاف واقعہ ہے، مثلاً یہ کہدے کہ آپ تو فلاں سے اتنی نفرت کرتے ہیں لیکن وہ تو آپ سے بہت محبّت کرتا ہے، وہ تو آپ کے حق میں دعا کرتا ہے، میں نے اس کو آپ کے حق میں دعا کرتے دیکھا ہے۔

اب اگرچہ اس کا نام لے کر دعا کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا، لیکن دل میں یہ نیت کرلی کہ وہ یہ دعا تو کرتا ہی ہوگا کہ:

ربنا آتنا فی الدنیا حَسَنَةً وفی الآخرة حسنةً وقنا عذاب النار۔

جس کے معنی یہ ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم کو دنیا میں بھی اچھائی

عطا فرما اور آخرت میں بھی اچھائی عطا فرما۔ لفظ "ہم" میں سارے مسلمان داخل ہو گئے۔

یہ ہر مسلمان کے لئے دعا ہے

اسی طرح کہنے والے نے یہ نیت کر لی کہ یہ نماز میں "التحیات" تو پڑھتا ہے اور "التحیات" میں یہ الفاظ ہیں "**السلام علینا وعلی عباداللّٰہ الصالحین**" ان الفاظ میں وہ تمام مسلمانوں کے لئے سلامتی کی دعا کرتا ہے، اسی طرح نماز کے آخر میں سلام پھیرتے وقت کہتا ہے: "**السلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ**" "**السلام علیکم**" کے معنی یہ ہیں کہ اے اللہ! ان پر سلامتی نازل فرما۔ اور فقہاء کرام نے فرمایا ہے کہ جب آدمی نماز کے آخر میں دائیں طرف سلام پھیرے تو سلام پھیرتے وقت یہ نیت کرلے کہ دائیں طرف جتنے ملائکہ، جنّات اور مسلمان ہیں ان سب کے لئے سلامتی کی دعا کرتا ہوں، اور جب بائیں طرف سلام پھیرے تو یہ نیت کرلے کہ بائیں طرف جتنے ملائکہ، جنّات اور مسلمان ہیں، ان سب کے لئے سلامتی کی دعا کرتا ہوں۔

لہٰذا اس نیت کے ساتھ اگر دوسرے، مسلمان سے یہ کہدے کہ فلاں تو تمہارے حق میں دعا کرتا ہے، تو سامنے والے کے دل میں اس کی قدر پیدا ہو گی کہ میں تو اس کو برا سمجھتا تھا لیکن وہ تو میرے حق میں دعا کرتا ہے، لہٰذا مجھے اس سے دشمنی نہیں رکھنی چاہئے۔

بلکہ بعض فقہاء نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا کہ مسلمانوں کے درمیان صلح کرانے کے لئے صریح جھوٹ بھی بولنا پڑے تو صریح جھوٹ بولنا بھی جائز ہے، اگر اس کے نتیجے میں دو دل مل رہے ہوں۔ بہر حال، آپس کے اختلافات کی خرابی اتنی زیادہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک فرمادیا کہ ایسے حالات میں خلاف واقعہ بات کہدینا بھی جائز ہے جس سے دوسرے کے دل میں قدر و محبّت اور منزلت پیدا ہو جائے۔ لہٰذا جہاں کہیں موقع ملے تو آپس میں صلح کرانے کے عظیم درجے اور عظیم ثواب کو حاصل کرلو۔ کہاں تم ساری رات تہجد پڑھو گے، کہاں تم ساری عمر روزے رکھو گے، کہاں تم سارا مال صدقہ کرو گے، لیکن اگر تم نے مسلمانوں کے درمیان اتفاق اور اتحاد اور محبّت پیدا کرانے کی کوشش کرلی تو اللہ تعالیٰ تمہیں اس سے بھی آگے کا درجہ عطاء فرمادیں گے۔

بعض لوگ بالکل اس کے الٹ ہوتے ہیں، ان کو دو ملے ہوئے دل کبھی اچھے نہیں لگتے، جہاں کہیں دیکھا کہ فلاں دو شخصوں میں محبّت ہے تو وہ ان کے درمیان ایسا شوشہ چھوڑ دیتے ہیں جس سے دونوں کے دلوں میں نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ یاد رکھئے! اس سے زیادہ بدترین گناہ کوئی اور نہیں ہے۔

ابلیس کا صحیح جانشین کون؟

ابلیس نے اپنے چھوٹے شیاطین کی ایک فوج بنا رکھی ہے جو پوری دنیا

میں پھیلی ہوئی ہے اور وہ لوگوں کو صحیح راستے سے بہکانے کا کام کرتی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ یہ ابلیس بعض اوقات سمندر پر اپنا دربار منعقد کرتا ہے اور ان سے رپورٹ طلب کرتا ہے اور اس کی تمام فوج اس کو اپنی اپنی کارگزاری سناتی ہے۔ چنانچہ ایک شیطان آکر کہتا ہے کہ ایک شخص نماز پڑھنے جارہا تھا، میں نے اس کے دل میں ایسی بات ڈالی کہ وہ نماز کے لئے نہ جاسکا اور اس کی نماز قضا ہوگئی، میں نے اس کو نماز سے محروم کردیا، ابلیس اس کو شاباش دیتا ہے کہ تم نے اچھا کام کیا۔ دوسرا شیطان آتا ہے اور کہتا ہے کہ ایک شخص روزہ رکھنے کا ارادہ کررہا تھا، میں نے اس کے دل کو ایسا پلٹا کہ وہ روزے سے باز آگیا، ابلیس اس کو شاباش دیتا ہے کہ تم نے اچھا کام کیا۔ اس کے بعد تیسرا شیطان آتا ہے اور کہتا ہے کہ فلاں شخص صدقہ خیرات کرنا چاہتا تھا، میں نے اس کے حالات ایسے پیدا کردیے کہ وہ صدقہ کرنے سے رک گیا، ابلیس اس کو بھی شاباش دیتا ہے کہ تم نے اچھا کام کیا۔ آخر میں ایک شیطان آکر کہتا ہے کہ دو میاں بیوی بڑی محبّت سے زندگی گزار رہے تھے، میں نے جاکر ان کے درمیان ایسا مسئلہ کھڑا کردیا کہ دونوں کے درمیان ناچاقی ہوگئی اور دونوں ایک دوسرے کی صورت دیکھنے کے روادار نہ رہے، یہاں تک کہ دونوں کے درمیان جدائی ہوگئی۔ ابلیس یہ سن کر اپنے تخت سے کھڑا ہوجاتا ہے اور اس کو گلے سے لگالیتا ہے اور کہتا ہے کہ تو میرا صحیح جانشین ہے، تونے صحیح کام کیا اور میرے مطلب کے مطابق کام کیا۔

نفرتیں ڈالنے والا بڑا مجرم ہے

بہر حال، شیطان کا سب سے بڑا حربہ اور سب سے کامیاب ترین منصوبہ یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کے دلوں میں نفرتیں پیدا کرے۔ لہٰذا جن لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ اچھے خاصے رہتے بستے لوگوں کے درمیان اور محبّت کرنے والے دوستوں کے درمیان منافرت پیدا کر دیتے ہیں، اور ادھر کی بات ادھر لگا دیتے ہیں، لگاوا جوئی شروع کر دیتے ہیں، اس حدیث کی رو سے وہ بہت خطرناک جرم کا ارتکاب کر رہے ہیں، نماز روزے سے روک دینا بھی شیطانی عمل ہے لیکن یہ ایسا شیطانی عمل ہے کہ ابلیس اس سے بہت خوش ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین۔ لہٰذا اس سے بچنے کی فکر کرنی چاہئے۔

جھگڑوں سے کیسے بچیں؟

اب سوال یہ ہے کہ ان جھگڑوں سے کیسے بچیں اور آپس میں محبّتیں کیسے پیدا ہوں، اور یہ آپس کے اختلافات کیسے ختم ہوں؟ اس کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمّت کو بڑی باریک بینی سے ہدایات عطا فرمائی ہیں۔ ان ہدایات میں سے ایک ایک ہدایت آپس میں محبّت کو پیدا کرنے والی ہے اور آپس کے جھگڑوں کو ختم کرنے والی ہے۔ لیکن ان ہدایات کے بیان سے پہلے ایک اصولی بات سمجھ لیں:

جھگڑے ختم کرنے کی ایک شرط

اصولی بات یہ ہے کہ آپس کے جھگڑے ختم کرنے اور آپس میں محبّت پیدا کرنے اور آپس میں اتفاق اور اتحاد پیدا کرنے کی ایک خاص شرط ہے، جب تک وہ شرط نہیں پائی جائے گی، اس وقت تک جھگڑے دور نہیں ہوں گے۔ آج ہر طرف سے یہ آواز بلند ہو رہی ہے کہ مسلمانوں میں اتحاد ہونا چاہئے، جھگڑے ختم ہونے چاہئیں، اور حتی کہ جو لوگ جھگڑوں کا بیج بونے والے ہیں وہ بھی اتفاق اور اتحاد کا نعرہ لگاتے ہیں، لیکن پھر بھی اتحاد اور اتفاق قائم نہیں ہوتا، کیوں اتحاد قائم نہیں ہوتا؟ اس کے بارے میں ایک مرد درویش کی بات سن لیجئے، جس نے اس بیماری کی دھکتی ہوئی رگ پر ہاتھ رکھ کر اس بیماری کی تشخیص کی ہے۔ اور مرض کی صحیح تشخیص ہمیشہ اللہ والے ہی کرتے ہیں، کیونکہ ہر بیماری کی صحیح تشخیص اور اس کا صحیح علاج اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے قلوب پر ہی وارد فرماتے ہیں۔

حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ہمارے سیّد الطائفہ شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس اللہ سرہ، جو ہمارے شیخ کے شیخ ہیں۔ اگر ان کے کوائف پوچھو تو وہ کسی مدرسے کے فارغ التحصیل بھی نہیں، باقاعدہ باضابطہ سند یافتہ عالم بھی نہیں، صرف کافیہ اور قدوری تک کتابیں پڑھے ہوئے

تھے، لیکن جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے پر معرفت کے دروازے کھولتے ہیں تو ہزار علم و تحقیق کے شناور اس کے آگے قربان ہو جاتے ہیں۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے علم کے پہاڑ اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ جیسے علم کے پہاڑ بھی اپنی تربیت کے لئے، اپنے تزکیے کے لئے اور اپنے اخلاق کو درست کرانے کے لئے ان کے پاس جاکر زانوئے تلمذ طے کر رہے ہیں۔

اتحاد کیلئے دو شرطیں، تواضع اور ایثار

انہوں نے یہ عقدہ کھولا کہ جب سب لوگ اتحاد اور اتفاق کی کوشش کر رہے ہیں، اس کے باوجود اتحاد کیوں قائم نہیں ہو رہا ہے؟ اس کے جواب میں جو حکیمانہ بات حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمائی ہے، میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ اگر اس بات کو ہم لوگ پلے باندھ لیں ہمارے معاشرے کے سارے جھگڑے ختم ہو جائیں۔ فرمایا کہ:

> اتحاد و اتفاق کا بنیادی راستہ یہ ہے کہ اپنے اندر دو چیزیں پیدا کرو، اگر یہ دو چیزیں پیدا ہو گئیں تو اتحاد قائم ہو جائے گا اور اگر ان میں سے ایک چیز بھی مفقود ہوئی تو کبھی اتحاد قائم نہیں ہوگا، وہ دو چیزیں یہ ہیں:
> ایک تواضع، دوسرے ایثار۔

"تواضع" کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو یوں سمجھے کہ میری

کوئی حقیقت نہیں، میں تو اللہ کا بندہ ہوں اور بندہ ہونے کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کے احکام کا پابند ہوں، اور اپنی ذات میں میرے اندر کوئی فضیلت نہیں، میرا کوئی حق نہیں، لہٰذا اگر کوئی شخص میری حق تلفی کرتا ہے تو وہ کونسا برا کام کرتا ہے، میں تو حق تلفی کا ہی مستحق ہوں۔

اتحاد میں رکاوٹ ''تکبر''

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اتحاد اس لئے قائم نہیں ہوتا کہ ہر آدمی کے دل میں تکبر ہے، وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں بڑا ہوں، میرے فلاں حقوق ہیں، فلاں نے میری شان کے خلاف بات کی ہے، فلاں نے میرے درجے کے خلاف کام کیا ہے، میری حق تلفی کی ہے، میرا حق یہ تھا کہ وہ میری تعظیم کرتا، لیکن اس نے میری تعظیم نہیں کی، میں اس کے گھر گیا، اس نے میری خاطر تواضع نہیں کی، اس تکبر کا نتیجہ یہ ہوا کہ جھگڑا کھڑا ہو گیا۔

تکبر کی وجہ سے اپنے آپ کو بڑا سمجھا اور بڑا سمجھنے کے نتیجے میں اپنے لئے کچھ حقوق گھڑ لئے اور یہ سوچا کہ میرے درجے کا تقاضہ تو یہ تھا کہ فلاں شخص میرے ساتھ ایسا سلوک کرتا، جب دوسرے نے ایسا سلوک نہیں کیا تو اب دل میں شکایت ہو گئی، اور اس کے نتیجے میں گرہ بیٹھ گئی اور اس کے بعد نفرت پیدا ہو گئی اور اس کے بعد اس کے ساتھ معاملات خراب کرنا شروع کر دیئے۔ لہٰذا جھگڑے کی بنیاد ''تکبر'' ہے۔

راحت والی زندگی کیلئے بہترین نسخہ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں تمہیں لذیذ اور راحت والی زندگی کا ایک نسخہ بتاتا ہوں، اگر تم اس نسخہ پر عمل کرلو گے تو پھر انشاء اللہ کسی کی طرف سے دل میں کوئی شکوہ شکایت اور گلہ پیدا نہیں ہوگا۔ وہ یہ کہ دل میں یہ سوچ لو کہ یہ دنیا خراب چیز ہے اور اس کی اصل وضع ہی تکلیف پہنچانے کے لئے ہے، لہٰذا اگر مجھے کسی انسان یا جانور سے تکلیف پہنچتی ہے تو یہ تکلیف پہنچنا دنیا کی تخلیق فطرت کے عین مطابق ہے، اور اگر دنیا میں کسی کی طرف سے تمہیں اچھائی پہنچے تو اس پر تمہیں تعجب کرنا چاہئے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے۔

اچھے توقعات وابستہ نہ کرو

لہٰذا دنیا میں کسی بھی اپنے ملنے جلنے والے سے، چاہے وہ دوست ہو، یا رشتہ دار ہو، یا قریبی عزیز ہو، کسی سے اچھائی کی توقع قائم نہ کرو کہ یہ مجھے کچھ دیدے گا، یا یہ مجھے کچھ نفع پہنچا دے گا، یا یہ میری عزت کرے گا، یا یہ میری مدد کرے گا، کسی بھی مخلوق سے کسی بھی قسم کی توقع قائم نہ کرو، اور جب کسی مخلوق سے نفع کی کوئی توقع نہیں ہوگی، پھر اگر کسی مخلوق نے کوئی فائدہ پہنچا دیا اور تمہارے ساتھ اچھا سلوک کرلیا تو اس سے تمہیں خوشی

ہو گی، اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ یا اللہ! آپ نے اپنے فضل سے اس کے دل میں بات ڈال دی جس کے نتیجے میں اس نے میرے ساتھ اچھا سلوک کیا۔

دشمن سے شکایت نہیں ہوتی

اور اگر کسی مخلوق نے تمہارے ساتھ بدسلوکی کی، تو اس سے تکلیف نہیں ہو گی، کیونکہ پہلے ہی سے اس سے کوئی اچھی توقع نہیں تھی۔ دیکھئے! اگر کوئی دشمن تمہیں کوئی تکلیف پہنچائے تو اس سے تمہیں کوئی شکایت ہوتی ہے؟ نہیں ہوتی، کیونکہ وہ تو دشمن ہی ہے، اس کا کام ہی تکلیف پہنچانا ہے۔ اس لئے اس کے تکلیف پہنچانے سے زیادہ صدمہ اور رنجش نہیں ہوتی، شکوہ اور گلہ نہیں ہوتا، شکوہ اس وقت ہوتا ہے کہ جب کسی سے اچھائی کی توقع تھی، لیکن اس نے برائی کرلی۔ اس لئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ساری مخلوق سے توقع مٹادو۔

صرف ایک ذات سے توقع رکھو

توقع تو صرف ایک ذات سے قائم کرنی چاہئے، اسی سے مانگو، اسی سے توقع رکھو، اسی سے امید رکھو، باقی ساری دنیا سے امیدیں قطع کر دو، صرف اللہ جلّ جلالہ سے امیدیں وابستہ کرلو۔ چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ فِیْ قَلْبِیْ رَجَاءَكَ، وَاقْطَعْ رَجَائِیْ عَنْ مَنْ سِوَاكَ۔

اے اللہ! میرے دل میں اپنی امید ڈال دیجئے اور میری امیدیں اپنے سوا ہر ایک مخلوق سے ختم کر دیجئے۔

یہ دعا مانگا کرو۔

اتحاد کی پہلی بنیاد "تواضع"

اور جب انسان کے اندر تواضع ہو گی تو وہ اپنا حق دوسروں پر نہیں سمجھے گا کہ میرا کوئی حق دوسرے کے ذمے ہے، بلکہ وہ تو یہ سمجھے گا کہ میں تو اللہ کا بندہ ہوں، میرا کوئی مقام اور کوئی درجہ نہیں، اللہ تعالیٰ جو معاملہ میرے ساتھ فرمائیں گے میں اس پر راضی ہوں۔ جب دل میں یہ تواضع پیدا ہو گی تو دوسرے سے توقع بھی قائم نہیں ہو گی۔ جب توقع نہیں ہو گی تو پھر دوسرے سے شکوہ شکایت بھی نہیں ہو گی، اور جب شکوہ نہیں ہو گا تو جھگڑا بھی پیدا نہیں ہو گا۔ لہٰذا اتفاق اور اتحاد کی پہلی بنیاد "تواضع" ہے۔

اتحاد کی دوسری بنیاد "ایثار"

اتفاق اور اتحاد کی دوسری بنیاد "ایثار" ہے۔ یعنی مخلوق خدا کے ساتھ ایثار کا رویہ اختیار کرو۔ "ایثار" کے معنی یہ ہیں کہ دِل میں یہ جذبہ ہو کہ میں اپنی راحت کی قربانی دیدوں اور اپنے مسلمان بھائی کو راحت پہنچا دوں۔

میں خود تکلیف اٹھالوں لیکن اپنے مسلمان بھائی کو تکلیف سے بچالوں۔ خود نقصان اٹھالوں لیکن اپنے مسلمان بھائی کو نفع پہنچادوں۔ یہ ایثار کا جذبہ اپنے اندر پیدا کرلو۔

اس نفع و ضرر کی دنیا میں
یہ ہم نے لیا ہے درسِ جنوں
اپنا تو زیاں تسلیم مگر
اوروں کا زیاں منظور نہیں

اپنا نقصان کرلینا منظور ہے، لیکن اوروں کا نقصان منظور نہیں۔ یہی وہ سبق ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ایثار

اور قرآن کریم نے انصاری صحابہ کرامؓ کے ایثار کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

یُؤْثِرُوْنَ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ۔

یعنی یہ انصاری صحابہؓ ایسے ہیں کہ چاہے سخت تنگدستی اور مفلسی کی حالت ہو، لیکن اس حالت میں بھی اپنے اوپر دوسروں کا ایثار کرتے ہیں۔ کیسے کرتے ہیں؟ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ مسافر آگئے جو تنگدست تھے۔ ایسے موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ سے فرماتے کہ کچھ مہمان باہر سے آگئے ہیں جو تنگدست

ہیں، لہٰذا جن کو استطاعت ہو وہ اپنے ساتھ مہمان کو لے جائیں اور ان کے کھانے کا بندوبست کردیں۔

ایک صحابی کا ایثار

چنانچہ اس موقع پر یہ ارشاد سن کر ایک انصاری صحابیؓ ایک مہمان کو اپنے گھر لے گئے، گھر جاکر بیوی سے پوچھا کہ کھانا ہے؟ مہمان آئے ہیں۔ بیوی نے جواب دیا کہ اتنا کھانا نہیں ہے کہ مہمان کو بھی کھلا سکیں، یا تو مہمان کھائیں گے یا ہم کھائیں گے، سب نہیں کھاسکتے۔ ان صحابی نے فرمایا کہ کھانا مہمان کے سامنے رکھ دو اور چراغ بجھا دو، چنانچہ بیوی نے کھانا مہمان کے سامنے رکھ دیا اور چراغ بجھا دیا، ان صحابی نے مہمان سے کہا کہ کھانا کھایئے، مہمان نے کھانا شروع کیا اور یہ صحابی ان کے ساتھ بیٹھ گئے، لیکن کھانا نہیں کھایا بلکہ اپنا خالی ہاتھ کھانے تک لے جاتے اور منہ تک لاتے، تاکہ مہمان یہ سمجھے کہ کھانا کھارہے ہیں، حقیقت میں وہ خالی ہاتھ چلا رہے تھے۔ چنانچہ میاں بیوی اور بچوں نے رات بھوک میں گزاری اور مہمان کو کھانا کھلا دیا۔ اللہ تعالیٰ کو ان کا یہ انداز اتنا پسند آیا کہ قرآن کریم میں اس کا بیان فرمادیا کہ:

يُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ۔

یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں، چاہے خود ان پر تنگدستی کی حالت ہو۔ خود بھوکا رہنا گوارہ کرلیا، لیکن دوسرے کو

راحت پہنچادی اور اس کو کھانا کھلا دیا۔ یہ ہے ایثار۔

ایثار کا مطلب

لہٰذا ایثار یہ ہے کہ اپنے اوپر تھوڑی سی تکلیف برداشت کرلے، لیکن اپنے مسلمان بھائی کا دل خوش کردے۔ یاد رکھئے! جس کو اللہ تعالیٰ یہ صفت عطا فرماتے ہیں، اس کو ایمان کی ایسی حلاوت عطا فرماتے ہیں کہ دنیا کی ساری حلاوتیں اس کے سامنے ہیچ ہیں۔ جب انسان اپنی ذات پر تنگی برداشت کرکے دوسرے مسلمان بھائی کو خوش کرتا ہے اور اس کے چہرے پر مسکراہٹ لاتا ہے تو اس کی جو لذت ہے اس کے آگے دنیا کی ساری لذتیں ہیچ ہیں۔ یہ دنیا معلوم نہیں کتنے دن کی ہے، پتہ نہیں کب بلاوا آجائے، بیٹھے بیٹھے آدمی رخصت ہوجاتا ہے، اس لئے ایثار پیدا کرو، جب ایثار پیدا ہوجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے دلوں میں محبتیں پیدا فرمادیتے ہیں، اور ایثار کرنے والے کو اپنی نعمتوں سے نوازتے ہیں۔

ایک شخص کی مغفرت کا واقعہ

حدیث شریف میں آتا ہے کہ پچھلی امتوں میں ایک شخص تھا، جب اس کا انتقال ہوگیا اور اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیش ہوا تو اس کے نامہ اعمال میں کوئی بڑی عبادت نہیں تھی، اللہ تعالیٰ نے نامہ اعمال لکھنے والے فرشتوں سے پوچھا کہ اس کے اعمال نامے میں کوئی نیکی ہے یا نہیں؟ فرشتوں نے جواب دیا کہ اس کے اعمال نامے میں کوئی بڑی نیکی تو نہیں ہے، البتہ ایک

نیکی اس کی یہ ہے کہ جب کسی سے کوئی مال خرید تا تو مال بیچنے والے سے جھگڑ تا نہیں تھا، بس جو پیسے اس نے بتا دے، اس سے تھوڑا کم کرایا اور مال خرید لیا۔

سهلاً اذا باع، سهلاً اذا اشترى

اور جب مال بیچنے جاتا تو اس میں بھی نرمی کرتا اس پر ضد نہیں کرتا تھا کہ بس میں اتنے پیسے لوں گا، بلکہ جب یہ دیکھا کہ خریدنے والا غریب ہے تو پیسے کم کر دیے۔ اسی طرح اگر اس کا قرضہ دوسرے پر ہوتا اور وہ دیکھتا کہ یہ اپنا قرضہ ادا نہیں کر پا رہا ہے تو اس کو معاف کر دیتا تھا۔

بس اس کی صرف یہ نیکی نامہ اعمال میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب یہ میرے بندوں کو قرض سے معاف کر دیتا تھا تو میں اس بات کا زیادہ مستحق ہوں کہ اس کو معاف کر دوں، لہٰذا میں نے اس کو معاف کر دیا۔ اس بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت فرمادی۔ یہ کیا چیز تھی؟ یہ "ایثار" تھا۔

خود غرضی ختم کر دو

بہرحال حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اپنے اندر سے تکبر کو نکالو اور ایثار پیدا کر لو، تمام جھگڑے ختم ہو جائیں گے۔ اور "خود غرضی" یہ ایثار کی ضد ہے، خود غرضی کا مطلب یہ ہے کہ انسان ہر وقت اپنی کائنات میں الجھا ہوا ہے کہ کس طرح مجھے پیسے زیادہ مل جائیں، کس طرح مجھے عزت زیادہ مل جائے، کس طرح مجھے شہرت

مل جائے، کس طرح لوگوں کی نگاہ میں میرا درجہ بلند ہو جائے، دن رات اسی فکر میں غلطاں پیچاں ہے۔ یہ ہے "خود غرضی" ایثار اس کی ضد ہے۔

"تواضع" کی ضد ہے "تکبر" لہٰذا اگر انسان تکبر اور خود غرضی چھوڑ دے اور تواضع اور ایثار اختیار کرلے تو پھر اتحاد اور محبّت قائم ہو جائے گی، انشاء اللہ، لہٰذا ہر مسلمان اس کو پلّے باندھ لے۔ بہر حال ایک عمل تو یہ ہو گیا جو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا۔

پسندیدگی کا معیار ایک ہو

دوسری بات جو حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی جو در حقیقت تمام اخلاق فاضلہ کی بنیاد ہے، اگر یہ چیز ہمارے اندر پیدا ہو جائے تو سارے جھگڑے ہمارے اندر سے ختم ہو جائیں۔ وہ بات یہ ارشاد فرمائی:

أحب لا خيك ماتحب لنفسك

واكره لأخيك ما تكره لنفسك

یعنی اپنے بھائی کے لئے وہی بات پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو، اور اپنے بھائی کے لئے وہی بات ناپسند کرو جو اپنے لئے ناپسند کرتے ہو۔ لہٰذا جب بھی کسی کے ساتھ کوئی معاملہ پیش آئے تو خود کو اس کی جگہ پر رکھ کر سوچ لو کہ اگر میں اس کی جگہ پر ہوتا اور یہ میری جگہ پر ہوتا اور میرے ساتھ یہ معاملہ کرتا تو میں کس بات کو پسند کرتا اور کس بات کو

ناپسند کرتا۔ لہٰذا جس بات کو میں پسند کرتا مجھے اس کے ساتھ بھی وہی معاملہ کرنا چاہئے، اور جو چیز میں ناپسند کرتا مجھے بھی اس کے ساتھ وہ چیز نہیں کرنی چاہئے۔ بہترین پیمانہ ہے کہ اس کے ذریعہ آپ دوسروں کے ساتھ کئے گئے ہر معاملے کو جانچ سکتے ہیں۔

دوھرے پیمانے ختم کردو

ہمارے معاشرے کی بہت بڑی بیماری یہ ہے کہ ہم نے دوھرے پیمانے بنا رکھے ہیں، اپنے لئے معیار کچھ اور ہے اور دوسرے کے لئے معیار کچھ اور ہے، اپنے لئے جو بات پسند کرتے ہیں وہ دوسروں کے لئے پسند نہیں کرتے۔ آپ ذرا غور کرکے دیکھیں کہ اگر ہر شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نصیحت پر عمل کرنا شروع کردے کہ اپنے بھائی کے لئے بھی وہی پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے تو پھر کوئی جھگڑا باقی نہیں رہے گا۔ اسلئے کہ اس صورت میں ہر شخص ایسے عمل سے پرہیز کرے گا جو دوسروں کو تکلیف دینے والا ہوگا۔

بہرحال، اپنے درمیان اتفاق اور اتحاد پیدا کرنے کی یہ چند اصولی باتیں ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ان کی سمجھ بھی عطا فرمائے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

✿

خاندانی اختلافات کا دوسرا سبب

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبد اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقامِ خطاب ـــــ جامع مسجد دار العلوم کراچی

وقت خطاب ـــــ بعد عصر تا مغرب

تعداد صفحات ـــــ ۳۲

جلد نمبر ـــــ ۱۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خاندانی اختلافات کے اسباب

اور ان کا حل

﴿دوسرا حصّہ﴾

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَأَشْهَدُاَنْ لَّا

إِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَـهٗ وَأَشْهَدُاَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّـنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُـهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَعَلىٰ اٰلِـهٖ وَاَصْحَابِـهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا ـ

أَمَّا بَعْدُ!

گزشتہ اتوار کو خاندانی اختلافات اور ان کو ختم کرنے کے بارے میں کچھ عرض کیا تھا۔ ایک اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اختلافات اور جھگڑوں کو ختم کرنے کا ایک اور طریقہ بیان فرمایا ہے۔ وہ حدیث یہ ہے کہ:

عن ابن عمر رضى اللّٰه تعالىٰ عنه عن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم قال: المسلم اذاكان يخالط الناس و يصبر على أذاهم خير من المسلم الذى لا يخالط الناس ولا يصبرعلى أذاهم ـ

(ترمذی، صفۃ القیامۃ، باب نمبر ۵۵، حدیث نمبر ۲۵۰۷)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک مسلمان وہ ہے جو لوگوں سے الگ تھلگ ہو کر بیٹھ گیا، لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کرلی، مثلاً وہ کسی مسجد میں یا

مدرسہ مین یا عبادت گاہ میں بیٹھ گیا تاکہ لوگوں سے سابقہ پیش نہ آئے، اور یہ سوچا کہ میں تنہائی میں عبادت کرتا رہوں گا۔ دوسرا مسلمان وہ ہے جس نے تنہائی اختیار نہیں کی، بلکہ لوگوں سے ملاجلا رہا، لوگوں سے تعلقات بھی ہیں، رشتہ داریاں اور دوستیاں بھی ہیں، اور ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا بھی ہے، اور ان کے ساتھ ہر قسم کے معاملات بھی کرتا ہے، اور پھر ساتھ رہنے اور ان کے ساتھ معاملات کرنے کے نتیجے میں لوگوں سے تکلیفیں بھی پہنچتی ہیں، اور وہ ان تکلیفوں پر صبر کرتا ہے۔ فرمایا کہ یہ دوسرا مسلمان جو لوگوں کے ساتھ مل کر رہتا ہے اور ان کی تکالیف پر صبر کرتا ہے، یہ مسلمان بدرجہا بہتر ہے اس مسلمان سے جو لوگوں سے الگ تھلگ رہتا ہے اور اس کے نتیجے میں اس کو تکالیف پر صبر کرنے کی ضرورت بھی پیش نہیں آتی۔

اسلام میں رہبانیت نہیں

یہ آپ حضرات کو معلوم ہی ہے کہ ہمارے دین نے عیسائی مذہب کی طرح رہبانیت کی تعلیم نہیں دی، عیسائیوں کے یہاں اللہ تعالیٰ کا قرب

حاصل کرنا اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک انسان اپنے سارے دنیاوی کاروبار کو نہ چھوڑے، اور اپنے تمام تعلقات کو خیر آباد نہ کہے اور رہبانیت کی زندگی نہ گزارے، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ تعلیم دی کہ لوگوں کے ساتھ ملے جلے رہو اور پھر لوگوں سے پہنچنے والی تکلیفوں پر صبر کرو۔

ساتھ رہنے سے تکلیف پہنچے گی

اگر آپ غور کریں تو یہ عجیب وغریب تعلیم ہے، کیونکہ اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے ساتھ ملے جلے رہنے کو اور ان سے پہنچنے والی تکلیف کو ایک ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ جس سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ یہ دونوں کام ایک دوسرے کے لئے لازم اور ملزوم ہیں، یعنی جب تم لوگوں کے ساتھ ملو جلو گے اور ان کے ساتھ رہو گے تو ان سے تمہیں ضرور تکلیف پہنچے گی، اور جب تمہارا کسی بھی دوسرے انسان سے واسطہ پیش آئے گا تو یہ ممکن نہیں ہے کہ اس سے تمہیں کبھی بھی کوئی تکلیف نہ پہنچے، لازماً تکلیف پہنچے گی، چاہے وہ تمہارا کتنا ہی قریبی عزیز ہو، اور چاہے وہ کتنا ہی قریبی دوست ہو۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ تکلیف کیوں پہنچے گی؟ اس کو بھی سمجھ لینا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ انسان کے چہرے میں

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب سے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا، اس وقت سے لے کر آج تک اربوں کھربوں انسانوں کو پیدا فرمایا، آگے قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے، اور ہر انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایک چہرہ عطا فرمایا ہے جو بالشت بھر کا ہے، اس میں آنکھ بھی ہے، ناک بھی ہے، منہ بھی ہے، دانت بھی ہیں، اور کان بھی ہے، رخسار بھی ہیں، اور ٹھوڑی بھی ہے، ہر انسان کے چہرے میں یہ چیزیں موجود ہوتی ہیں۔ لیکن اتنے اربوں، کھربوں، پدموں انسانوں میں کسی دو انسانوں کا چہرہ سو فیصد ایک جیسا نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ دیکھئے کہ ہر انسان کے چہرے کی لمبائی ایک بالشت ہے، اور یہ بھی نہیں ہے کہ کسی انسان کی ناک ہو کسی کی ناک نہ ہو، کسی کے کان ہوں کسی کے نہ ہوں، کسی کی آنکھیں ہوں کسی کی نہ ہوں، بلکہ تمام انسانوں کے چہرے میں یہ سب چیزیں بھی ہوتی ہیں۔ لیکن کسی دو انسانوں کا چہرہ ایک جیسا نہیں ملے گا، بلکہ ہر انسان کا چہرہ دوسرے سے مختلف ہوگا۔ اور یہ اختلاف صرف ان انسانوں کے چہروں میں نہیں ہے جو اب تک پیدا ہو چکے ہیں، بلکہ جو نئے انسان پیدا ہو رہے ہیں، ان کے اندر بھی یہ اختلاف موجود ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ اب جو نیا انسان پیدا ہوگا وہ کسی سابقہ انسان کی کاپی اور نقل ہوگا، ایسا نہیں ہے، بلکہ نیا پیدا ہونے والا انسان اپنا چہرہ خود لے کر آئے گا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ایک

انسان کو دوسرے انسان سے ایسا ممتاز کر دیا کہ چہرے کے نقوش دیکھ کر پتہ چل جاتا ہے کہ یہ فلاں انسان ہے اور یہ فلاں انسان ہے۔

رنگوں کے اختلاف میں قدرت کا نظارہ

اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ مختلف نسلوں کے انسانوں کے نقوش میں ایک چیز "مابہ الاشتراک" ہے اور ایک "مابہ الامتیاز" ہے۔ یعنی ایک چیز ایسی ہے جو سب میں مشترک ہے، مثلاً افریقی نسل کے جو انسان ہوں گے، وہ دور سے دیکھ کر پہچان لئے جائیں گے کہ یہ افریقی نسل کا ہے۔ "یورپ" والا الگ پہچان لیا جائے گا کہ یہ یورپ کا ہے، باوجودیکہ ان کے درمیان بھی آپس میں فرق ہے، کوئی دو فرد ایک جیسے نہیں ہیں۔ لہٰذا "مابہ الاشتراک" بھی موجود اور "مابہ الامتیاز" بھی موجود۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کا نظارہ ہے، انسان کہاں اس قدرت کا احاطہ کر سکتا ہے۔

انگلیوں کے پوروں میں اللہ کی قدرت

اور چیزوں کو چھوڑیئے! انگلیوں کے پوروں کو لے لیں، ہر انسان کے ہاتھ کی انگلیوں کے پورے دوسرے انسان کے پورے سے مختلف ہیں، چنانچہ کاغذات پر بے شمار ضروریات کے لئے دستخط لینے کے ساتھ ساتھ انگوٹھا بھی لگوایا جاتا ہے، اس لئے کہ انگوٹھے کے پورے میں جو چھوٹی چھوٹی

لکیریں ہیں، وہ کسی ایک انسان کی لکیریں دوسرے انسان کی لکیروں سے نہیں ملتیں، ہر ایک کی لکیریں علیحدہ ہیں۔ اگر ویسے دو انسانوں کے انگوٹھے ملا کر دیکھیں تو یہ نظر آئے گا کہ کوئی فرق نہیں ہے، لیکن یہ بات عالمی طور پر مسلّم اور طے شدہ ہے کہ دو انسانوں کے انگوٹھوں کی لکیریں ایک جیسی نہیں ہیں، لہٰذا جب کسی انسان نے کسی کاغذ پر انگوٹھا لگا دیا تو یہ متعیّن ہو گیا کہ یہ فلاں انسان کے انگوٹھے کے نشان ہیں، کیونکہ دوسرے انسان کے انگوٹھے کے نشان اس سے مختلف ہوں گے۔

انگوٹھے کی لکیروں کے ماہرین کا دعویٰ

اب تو ایسے ماہرین بھی پیدا ہوگئے ہیں جن کا یہ دعویٰ ہے کہ ہمارے سامنے کسی انسان کے انگوٹھے کے نشان رکھ دیئے جائیں، ہم اس کے نشانات کو بڑا کر کے دیکھیں گے، اور اس کے ذریعے ہم اس انسان کے سر سے لے کر پاؤں تک سارے خدوخال کا نقشہ کھینچ سکتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ لکیریں یہ بتادیتی ہیں کہ اس انسان کی آنکھ کیسی ہوگی، اس کی ناک کیسی ہوگی، اس کے دانت کیسے ہوں گے، اور ہاتھ کیسے ہوں گے؟

ہم انگوٹھے کے پورے کو دوبارہ بنانے پر قادر ہیں

میں نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ قرآن کریم کی سورۃ "قیامۃ" میں ایک آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کا ذکر کرتے

ہوئے فرمایا کہ:

اَیَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَلَّنۡ نَّجۡمَعَ عِظَامَہٗ O بَلٰی
قٰدِرِیۡنَ عَلٰۤی اَنۡ نُّسَوِّیَ بَنَانَہٗ O

(سورۃ القیامۃ: آیت ۳، ۴)

کیا یہ (کافر) انسان یہ سمجھتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں جمع نہیں کر سکیں گے۔ یہ کافر جو آخرت کے منکر ہیں، وہ یہ کہا کرتے تھے کہ جب ہم مر جائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے اور ہماری ہڈیاں تک گل جائیں گی، پھر کس طرح سے ہمیں دوبارہ زندہ کیا جا سکے گا؟ اور کون زندہ کرے گا؟

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں دوبارہ جمع نہیں کر سکیں گے؟ کیوں نہیں! ہم تو اس پر بھی قادر ہیں کہ اس کی انگلیوں کے پوروں کو بھی ویسا ہی دوبارہ بنا دیں، اس کائنات کا بڑے سے بڑا سائنٹسٹ بھی یہ نہیں کر سکتا کہ ویسا ہی انگوٹھا بنا دے، لیکن ہم اس پر قادر ہیں۔

آیت سن کر مسلمان ہونا

اللہ تعالیٰ یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ ہم اس پر قادر ہیں کہ اس کا چہرہ دوبارہ بنا دیں، اس کے ہاتھ دوبارہ بنا دیں، اس کے پاؤں دوبارہ بنا دیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر پوروں کا ذکر فرمایا کہ پورے کو دوبارہ بنانے پر قادر ہیں۔ میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک نو مسلم

سائنٹسٹ اس آیت کو پڑھ کر مسلمان ہو گیا، اور اس نے یہ کہا کہ یہ بات سوائے خالق کائنات کے دوسرا نہیں کہہ سکتا کہ ہم اس پورے کو دوبارہ بنا سکتے ہیں، یہ بات صرف وہی کہہ سکتا ہے جس نے اس کائنات کو بنایا ہو، جس نے انسان کو پیدا کیا ہو، جس نے انسان کے ایک ایک عضو کو بنایا ہو۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ

بہر حال! کوئی انسان اپنی ظاہری شکل و صورت میں دوسرے انسان جیسا نہیں ہے، بلکہ اگر دو انسان ایک جیسے ہو جائیں تو اس پر تعجب ہوتا ہے کہ دیکھو یہ دو انسان ہم شکل ہیں، الگ الگ ہونے پر کوئی تعجب نہیں ہوتا، اس لئے کہ ہر انسان دوسرے سے الگ ہے۔ حالانکہ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ الگ الگ کیسے ہیں، اگر سارے انسان ایک دوسرے کے ہم شکل ہوتے تو تعجب کی بات نہ ہوتی، لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کو دیکھئے کہ اس نے اربوں کھربوں انسان پیدا فرمادیئے، مگر ہر ایک کی صورت دوسرے سے مختلف ہے، مرد کی صورت الگ ہے، عورت کی صورت الگ ہے، ہر ایک صنف میں ایک دوسرے سے امتیاز بھی موجود ہے، ایک دوسرے سے اشتراک بھی موجود ہے۔

دو انسانوں کے مزاج میں اختلاف

لہٰذا جب دو انسانوں کے چہرے ایک جیسے نہیں ہو سکتے، تو پھر دو

انسانوں کی طبیعتیں کیسے ایک جیسی ہو سکتی ہیں، جب ظاہر ایک جیسا نہیں تو پھر ان کی طبیعتوں میں بھی فرق ہو گا، کسی کی طبیعت کیسی ہے، کسی کی کیسی ہے۔ کسی کا مزاج کیسا ہے، کسی کا مزاج کیسا ہے۔ کسی کی پسند کچھ ہے، کسی کی کچھ ہے۔ ہر انسان کی پسند مختلف، ہر انسان کا مزاج مختلف، ہر انسان کی طبیعت مختلف۔ لہٰذا طبیعتوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے کبھی یہ نہیں ہو سکتا کہ دو آدمی ایک ساتھ زندگی گزار رہے ہوں اور ایک ساتھ رہتے ہوں، اور کبھی بھی ان میں سے ایک کو دوسرے سے تکلیف نہ پہنچے، ایسا ہونا ممکن ہی نہیں، طبیعت مختلف ہونے کی وجہ سے ایک کو دوسرے سے ضرور تکلیف پہنچے گی، کبھی جسمانی تکلیف پہنچے گی، کبھی روحانی تکلیف پہنچے گی، کبھی نفسیاتی تکلیف پہنچے گی، کبھی دوسرے کی طرف سے خلاف طبع بات ہو گی جو دوسرے کو بری لگے گی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مزاج مختلف تھے

دیکھئے! اس کائنات میں انبیاء علیہم السلام کے بعد حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے زیادہ افضل مخلوق اس زمین و آسمان کی نگاہوں نے نہیں دیکھی۔ انبیاء علیہم السلام کے بعد صحابہ کرامؓ سے زیادہ افضل، ان سے زیادہ متقی، ان سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والے، ان سے زیادہ ایثار کرنے والے، ان سے زیادہ، یک دوسرے پر جان نثار کرنے والی کوئی مخلوق پیدا نہیں ہوئی اور نہ آئندہ پیدا ہو گی۔ لیکن صحابہ کرامؓ کی طبیعتیں بھی مختلف

تھیں، ان کے آپس کے مزاج میں بھی فرق تھا۔

ازواج مطہراتؓ اور حضور ﷺ کے درمیان نااتفاقی

روئے زمین پر کوئی بیوی اپنے شوہر کے لئے اتنی وفادار اور اتنا خیال رکھنے والی نہیں ہو سکتی جتنی کہ امہات المؤمنین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال رکھنے والی تھیں، لیکن ان کو بھی طبیعت کے خلاف باتیں پیش آجاتی تھیں، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بعض اوقات طبیعت کے خلاف ہونے کی وجہ سے ان سے کچھ گرانی اور ناراضگی ہو جاتی تھی، چنانچہ ایک مرتبہ اس گرانی کی وجہ سے ایک مہینہ ایسا گزرا کہ آپ ﷺ نے اس میں قسم کھالی تھی کہ میں ایک ماہ تک اپنی ازواج مطہرات کے پاس نہیں جاؤں گا۔

حضرت عائشہؓ کی حضور ﷺ سے ناراضگی

اور پھر یہ نہیں کہ ازواج مطہرات کی طرف سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو گرانی ہوتی تھی بلکہ بعض اوقات ازواج مطہراتؓ کو بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے گرانی ہو جاتی تھی، چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ اے عائشہ! مجھے پتہ چل جاتا ہے جب مجھ سے راضی ہوتی ہو اور جب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ

تعالیٰ عنہا نے پوچھا کہ کیسے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم مجھ سے خوش ہوتی ہو تو قسم کھاتے وقت یہ کہتی ہو "وربِّ محمد" یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پروردگار کی قسم" اور جب مجھ سے ناراض ہوتی ہو تو قسم کھاتے وقت یہ کہتی ہو "وربِّ ابراہیم" ابراہیم علیہ السلام کے پروردگار کی قسم۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا: "لا اهجر الا اسمك" یارسول اللہ ﷺ: ایسے موقع پر میں صرف آپ ﷺ کا نام ہی چھوڑتی ہوں، لیکن آپ ﷺ کی محبّت دل سے جدا نہیں ہوتی۔ اب دیکھئے! سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ شفیق و مہربان کوئی اور ہو سکتا ہے؟ خاص طور پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ آپ ﷺ کی محبّت کا جو عالم تھا وہ کوئی مخفی چیز نہیں، لیکن اس کے باوجود حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی بعض اوقات آپ ﷺ سے کچھ گرانی پیدا ہو جاتی تھی، اور اس گرانی اور ناراضگی کا احساس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہو جاتا تھا۔

میاں بیوی کے تعلق کی حیثیت سے ناراضگی

البتہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو تو تکلیف پہنچانا معاذ اللہ کفر ہے، تو اگر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آپ ﷺ کو تکلیف پہنچی تو یہ کتنی بری بات ہوئی۔ بات دراصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حیثیتیں الگ الگ رکھی ہیں، لہٰذا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو

جو گرانی ہوتی تھی وہ ایک شوہر ہونے کی حیثیت سے ہوتی تھی، جس طرح بیوی کو شوہر پر ناز ہوتا ہے، ایسے ہی شوہر کو بھی بیوی پر ناز ہوتا ہے، اس ناز کے عالم میں اس قسم کی ناراضگی بھی ہو جایا کرتی تھی۔ اس کا منصب رسالت سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مزاجوں میں اختلاف

بہر حال! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ازواج مطہرات کے درمیان بھی خلاف طبع امور پیدا ہو جاتے تھے۔ اور آگے بڑھیے۔ حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما جن کو "شیخین" کہا جاتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے بعد ان دونوں بزرگوں سے زیادہ افضل انسان اس روئے زمین پر پیدا نہیں ہوئے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان دونوں کے تعلق کا عالم یہ تھا کہ صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ ان دونوں کے نام ہمیشہ ایک ساتھ آیا کرتے تھے۔

چنانچہ ہم یوں کہا کرتے تھے کہ:

جاء أبو بكرؓ و عمرؓ
ذهب ابوبكرؓ و عمرؓ
خرج أبوبكرؓ و عمرؓ

جہاں نام آرہا ہے دونوں کا ایک ساتھ آرہا ہے۔ اس طرح یک جان دو قالب تھے، ہر وقت ان دونوں کا نام سامنے ہوتا۔ جہاں حضور اقدس صلی

اللہ علیہ وسلم کو مشورہ کرنے کی ضرورت پیش آتی، فرماتے ذرا ابو بکرؓ و عمرؓ کو بلاؤ، کبھی دونوں میں جدائی کا تصور نہیں ہوتا تھا۔

اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عزت کرنے کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ آپ میری زندگی کی ساری عبادتیں مجھ سے لے لیجئے اور سارے اعمال مجھ سے لے لیں اور وہ ایک رات جو آپ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غارِ ثور میں گزاری ہے وہ مجھے دیدیجئے۔ دونوں کے درمیان عظمت اور محبّت کا یہ عالم تھا، لیکن دونوں کی طبیعتوں میں اختلاف تھا جس کی وجہ سے بعض اوقات ان کے درمیان اختلاف بھی ہو جاتا تھا۔

حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ کے درمیان اختلاف کا ایک واقعہ

چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ ان دونوں کے درمیان بات چیت ہو رہی تھی، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوئی بات کہدی جس کی وجہ سے حضرت فاروق اعظمؓ ناراض ہو کر چلدیئے، اب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو منانے کے لئے اور سمجھانے کے لئے ان کے پیچھے پیچھے چلدیئے، چلتے چلتے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے گھر میں داخل ہوگئے اور دروازہ بند کرلیا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب یہ دیکھا کہ یہ تو بہت زیادہ ناراض ہوگئے ہیں تو

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کے چہرے کو دیکھ کر سمجھ گئے یا بذریعۂ وحی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو خبر دیدی، چنانچہ ابھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کی طرف آرہے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابہ کرامؓ سے جو مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے، خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ جو تمہارے دوست آرہے ہیں، یہ آج کسی سے جھگڑا کرکے آرہے ہیں۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجلس میں آکر بیٹھ گئے۔

دوسری طرف جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنہوں نے گھر میں داخل ہو کر دروازہ بند کرلیا تھا، جب تنہائی میں پہنچے تو ان کو بڑی شرمندگی اور ندامت ہوئی کہ میں نے یہ بہت برا کیا کہ اوّل تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ناراضگی کا اظہار کیا، پھر جب وہ میرے پیچھے آئے تو میں نے گھر میں داخل ہو کر دروازہ بند کرلیا، چنانچہ گھر سے باہر نکلے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے چل پڑے کہ جاکر ان کو مناؤں، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں پہنچے تو دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف فرما ہیں اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی بیٹھے ہیں۔ مجلس میں آکر اپنی ندامت اور شرمندگی کا اظہار شروع کردیا کہ یارسول اللہ ﷺ! مجھ سے غلطی ہو گئی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمانے لگے یارسول اللہ ﷺ مجھ سے

غلطی ہوئی تھی، ان سے زیادہ غلطی نہیں ہوئی، آپ ﷺ ان کو معاف کردیجئے، اصل میں غلطی میری تھی۔ اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے صحابہؓ سے خطاب کرتے ہوئے عجیب وغریب جملہ ارشاد فرمایا، فرمایا کہ:

کیا میرے ساتھی کو میرے لئے چھوڑو گے یا نہیں؟ یہ وہ شخص ہے کہ جب میں نے یہ کہا تھا کہ: يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنِّي رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا O
اے لوگو! میں تم سب کے لئے اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں۔ اس وقت تم سب نے کہا تھا کہ "كَذَبْتَ" صرف اس نے کہا تھا "صَدَقْتَ" یہ تنہا وہ شخص تھا جس نے کہا تھا کہ تم سچ کہتے ہو۔

بہر حال! صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما جیسے انسان جن کا ذکر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ایک ساتھ آتا تھا، ان کی طبیعتوں میں اور مزاجوں میں بھی اختلاف تھا جس کے نتیجے میں ان کے درمیان بھی اس قسم کے واقعات پیش آئے۔

مزاجوں کا اختلاف حق ہے

اس سے معلوم ہوا کہ کوئی دو انسان ایسے نہیں ہیں جن کی طبیعتیں ایک جیسی ہوں، جیسا تم چاہتے ہو دوسرا بھی ویسا ہی ہو، یہ نہیں ہو سکتا۔

کوئی باپ یہ چاہے کہ میرا بیٹا سو فیصد میری مرضی کے مطابق ہو جائے، نہیں ہو سکتا، کوئی بیٹا یہ چاہے کہ میرا باپ سو فیصد میری مرضی کے مطابق ہو جائے، نہیں ہو سکتا، کوئی شوہر یہ چاہے کہ میری بیوی سو فیصد میری مرضی کے مطابق ہو جائے، نہیں ہو سکتی، کوئی بیوی یہ چاہے کہ میرا شوہر سو فیصد میری مرضی کے مطابق ہو جائے، نہیں ہو سکتا۔

صبر نہیں کرو گے تو لڑائیاں ہونگی

لہٰذا جب آدمیوں کے ساتھ رہنا ہو گا تو پھر تکلیفیں بھی پہنچیں گی، آدمیوں کے ساتھ رہنا اور ان سے تکلیفیں پہنچنا یہ دونوں لازم اور ملزوم ہیں، ان دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کیا ہی نہیں جا سکتا۔ لہٰذا جب آدمیوں کے ساتھ رہنا ہے تو یہ سوچ کر رہنا ہو گا کہ ان سے مجھے تکلیف بھی پہنچے گی اور اس تکلیف پر مجھے صبر بھی کرنا ہو گا، اگر صبر نہیں کرو گے تو لڑائیاں، جھگڑے، فتنے اور فساد ہوں گے، اور یہ چیزیں وہ ہیں جو دین کو مونڈ دینے والی ہیں۔

لہٰذا جس کسی سے کوئی تعلق ہو، چاہے وہ تعلق رشتہ داری کا ہو، چاہے وہ تعلق دوستی کا ہو، چاہے وہ زوجیت کا تعلق ہو، لیکن یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ان تعلقات میں تکلیفیں بھی پہنچیں گی، اور ان تکلیفوں پر مجھے صبر کرنا ہو گا، اور ان تکلیفوں کو مستقل ناچاقی کا ذریعہ نہیں بناؤں گا۔ ٹھیک ہے ساتھ رہنے کے نتیجے میں تلخی بھی تھوڑی بہت ہو جاتی ہے، لیکن اس

تلخی کو مستقل ناچاقی اور منافرت کا ذریعہ بنانا ٹھیک نہیں۔

تکالیف سے بچنے کا طریقہ

اب سوال یہ ہے کہ جب دوسروں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے تکلیف پہنچ رہی ہے تو اس تکلیف پر اپنے آپ کو کیسے تسلّی دیں؟ اس تکلیف سے اپنے آپ کو کیسے بچائیں؟ اور طبیعت کے خلاف ہونے کے باوجود آپس میں کیسے محبّتیں پیدا کریں؟ اس کا نسخہ بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلا دیا، کوئی بات آپ تشنہ چھوڑ کر نہیں گئے۔ چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے میاں بیوی کے تعلق کے بارے میں بیان فرمایا، کیونکہ سب سے زیادہ خلافِ طبع امور میاں بیوی کے تعلقات میں ہی پیش آتے ہیں، اس لئے کہ جتنا قرب زیادہ ہوگا، اتنا ہی طبیعت کے خلاف باتیں پیش آنے کا بھی امکان ہوگا، اور میاں بیوی کے درمیان جتنا قرب ہوتا ہے وہ کسی اور رشتے میں نہیں ہوتا۔ چونکہ اس تعلق میں دوسرے تعلق کے مقابلے میں تکلیف پہنچنے کے امکانات زیادہ ہیں، اس لئے اس کے بارے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نسخہ کیمیا بیان فرما دیا، وہ یہ کہ:

لا يفرك مؤمن مؤمنة إن سخط منها خلقاً رضي منها آخر۔

(صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب الوصیۃ بالنساء)

یعنی کوئی مؤمن مرد کسی مؤمنہ عورت سے بغض نہ رکھے، مطلب یہ ہے کہ کوئی شوہر اپنی بیوی سے مستقل بغض نہ رکھے۔ کیونکہ اگر وہ اپنی بیوی کی کسی بات کو ناپسند کرے گا تو دوسری کسی بات کو پسند بھی کرے گا۔ یعنی جب بیوی سے طبیعت کے خلاف کوئی معاملہ پیش آتا ہے تو تم ناراض ہوتے ہو اور بُرا مناتے ہو، اور اسی بات کو لئے بیٹھے رہتے ہو کہ یہ ایسی ہے، یہ یوں کرتی ہے، یوں کرتی ہے، اس میں یہ خرابی ہے، یہ خرابی ہے۔ خدا کے لئے یہ دیکھو کہ اس کے اندر کچھ اچھائیاں بھی تو ہوں گی، لہٰذا جب بیوی سے کوئی بات سامنے آئے جو تمہیں بری لگ رہی ہے تو اس وقت اس کی اس بات کا تصور کرو جو تمہیں پسندیدہ ہے۔ جب اچھائی کا تصور کرو گے تو اس برائی کے احساس میں کمی آئے گی۔

صرف اچھائیوں کی طرف دیکھو

یاد رکھئے! دنیا میں کوئی انسان سراپا سیاہ یا سراپا سفید نہیں ہوتا، کوئی سراپا خیر یا سراپا شر نہیں ہوتا، اگر کوئی برا ہے تو اس میں کچھ نہ کچھ بھلائی بھی ضرور ہوگی، اگر بھلا ہے تو اس میں کچھ برائی بھی ضرور ہوگی۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنی بیوی کی اچھائی کی طرف دھیان کرو، اس کے نتیجے میں تمہیں نظر آئے گا کہ یہ بات اگرچہ اس کے اندر تکلیف دہ ہے، لیکن دوسری باتیں میری بیوی کے اندر قابل قدر اور قابل تعریف ہیں۔ یہ سوچنے سے صبر آجائے گا۔

ایک دلچسپ واقعہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاحب کا بڑا اچھا علاج کیا۔ وہ اس طرح کہ ایک صاحب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی بیوی کی شکایت کرنے لگے کہ اس میں فلاں عادت بڑی خراب ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "**طلقها**" یعنی اگر اتنی خراب ہے کہ تمہارے لئے ناقابل برداشت ہے تو اس کو طلاق دیدو۔ اب اس کا دماغ ٹھیک ہو گیا اور اس نے سوچا کہ اگر میں نے اس کو طلاق دیدی اور وہ چلی گئی تو مجھ پر کیا گزرے گی۔ اس لئے اس نے حضور ﷺ سے کہا کہ "**لا أصبر عنها**" یارسول اللہ ﷺ! اس کے بغیر صبر بھی نہیں آتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا "**أمسكها**" پھر اس کو روکے رکھو۔ یعنی جب اس کے اندر خرابی ہے، لیکن اس کے بغیر صبر بھی نہیں آتا تو اس کا علاج اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ اس کو روکے رکھو اور اس کی اس خرابی کو برداشت کرو، البتہ اپنی طرف سے اس کی اصلاح کی جتنی کوشش تم سے ہو سکتی ہے وہ کرلو۔

بیوی کے کاموں کو سوچو

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب اس نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی بیوی کی خرابی بیان کی تو آپ نے فوراً اس سے یہ کہدیا

کہ اس کو طلاق دیدو۔ آپ ﷺ نے اس کو ایک دم سے طلاق دینے کا مشورہ کیوں دیدیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے طلاق دینے کا مشورہ اس لئے دیا کہ دراصل اس شخص کا سارا دھیان اپنی بیوی کی برائی کی طرف لگا ہوا تھا، اس کی وجہ سے اس کے دل میں اس کی برائی اس طرح بیٹھ گئی تھی کہ اس کا اپنی بیوی کی اچھائیوں کی طرف دھیان ہی نہیں جارہا تھا۔ اس لئے آپ ﷺ نے اس کو آخری بات کہدی کہ اگر یہ تمہاری بیوی اتنی بری ہے تو اس کو طلاق دیکر الگ کردو۔ اب طلاق کا سن کر اس کے دماغ میں یہ آیا کہ میری بیوی میرا یہ کام کرتی ہے، یہ کام کرتی ہے، میرے لئے وہ اتنی فائدہ مند ہے، اگر میں نے طلاق دیدی تو یہ سارے فائدے جاتے رہیں گے، تو میں پھر کیا کروں گا اور کیسے زندگی گزاروں گا۔ اس لئے فوراً اس نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ! مجھے اس کے بغیر صبر بھی نہیں ہوتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اچھا تو پھر اس کو روکے رکھو۔

برائیوں کی طرف دھیان کرنے کا نتیجہ

بات دراصل یہ ہے کہ جب کسی کی برائیاں تمہارے دل میں بیٹھ جاتی ہیں اور اس کی برائی کی طرف دھیان لگ جاتا ہے تو پھر اس کی اچھائیوں سے آنکھوں پر پردے پڑجاتے ہیں۔ لہٰذا اس کی اچھائیوں کا تصور کرو، اور جب اچھائیوں کا تصور کروگے تو اس کی قدر دل میں بیٹھے گی اور عافیت محسوس ہوگی۔ اس وقت پتہ چلے گا کہ تکلیف تو پہنچی ہے، کوئی نہ کوئی

بات طبیعت کے خلاف ہو گی، لیکن اس طبیعت کے خلاف بات کو برداشت کرنا پڑے گا۔

ہو سکتا ہے کہ تم غلطی پر ہو

یہ بات بھی سمجھ لیں کہ جب تم کسی دوسرے کی کسی بات کو اپنی طبیعت کے خلاف سمجھ رہے ہو تو یہ ضروری نہیں کہ وہ شخص غلطی پر ہو، بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ دوسرا شخص غلطی پر ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم غلطی پر ہو، کیونکہ طبیعتوں کا فرق ہے۔

مثلاً ایک آدمی کو ایک کھانا پسند ہے، دوسرے کو دوسرا کھانا پسند ہے، ایک آدمی کو کریلے پسند ہیں، اس کا سالن اس کو مزیدار معلوم ہوتا ہے، دوسرے آدمی کو کریلے ناپسند ہیں، وہ کہتا ہے کہ یہ کڑوے ہیں، مجھ سے نہیں کھائے جاتے۔ یہ طبیعت کا اختلاف ہے۔ اب یہ ضروری نہیں کہ جو شخص یہ کہہ رہا ہے کہ مجھے کریلے بہت اچھے لگتے ہیں، وہ غلطی پر ہے، یا جو شخص یہ کہہ رہا ہے کہ مجھے کریلے پسند نہیں، وہ غلطی پر ہے، بلکہ دونوں غلطی پر نہیں ہیں، البتہ دونوں کے مزاجوں کا فرق ہے، طبیعتوں کا فرق ہے وہ بھی اپنی جگہ صحیح ہے اور وہ بھی اپنی جگہ پر صحیح ہے۔

دونوں اپنی جگہ پر درست ہوں

لہٰذا جس جگہ مباحات کے اندر آپس میں اختلاف ہوتا ہے، وہاں

کسی ایک فریق کو حق پر اور دوسرے کو باطل پر نہیں کہہ سکتے، بلکہ دونوں اپنی اپنی جگہ پر درست ہوتے ہیں۔ چنانچہ اکثر میاں بیوی کے درمیان طبیعتوں میں اختلاف ہوتا ہے، جب ہر دو انسانوں کی طبیعتوں میں اختلاف ہوتا ہے تو اگر صنف بھی بدل جائے کہ ایک مرد ہے اور ایک عورت ہے تو پھر طبیعتوں کا یہ اختلاف اور زیادہ ہو جاتا ہے۔ عورت کی ایک فطرت ہے اور اس کی ایک نفسیات ہے، مرد کی ایک فطرت ہے اور اس کی ایک نفسیات ہے۔ مرد اپنی فطرت کے مطابق سوچتا ہے، عورت اپنی فطرت کے مطابق سوچتی ہے۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اس کی صرف برائیوں کو مت دیکھو بلکہ اچھائیوں کی طرف بھی دیکھو۔

سیدھا کرنا چاہو گے تو توڑ دو گے

ایک اور بات یاد آگئی، وہ یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو پسلی سے تشبیہ دی، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

المرأة كالضلع، إن اقمتها كسرتها، وان استمتعت بها، استمتعت بها وفيها عوج۔

(بخاری، کتاب النکاح، باب المداراۃ مع النساء)

عورت پسلی کی طرح ہے، اگر تم اس کو سیدھا کرنا چاہو گے تو اس کو توڑ دو گے، اور اگر تم اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو گے تو باوجودیکہ وہ تم کو ٹیڑھی نظر آرہی

ہے پھر بھی تم اس سے فائدہ اٹھا سکو گے۔

عورت کا حسن ٹیڑھے پن میں ہے

اب بعض حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ٹیڑھی پسلی کہدیا تو اس کی مذمت بیان فرمادی۔ چنانچہ بعض لوگ اس کو اس کی مذمت اور برائی کے معنی میں استعمال کرتے ہیں، اور جب ان کا بیوی سے جھگڑا ہوتا ہے تو وہ بیوی سے خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "اے ٹیڑھی پسلی میں تجھے سیدھا کر کے رہوں گا"۔ حالانکہ ان لوگوں نے یہ غور نہیں کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پسلی کو ٹیڑھی کہہ رہے ہیں، پسلی اگر ٹیڑھی نہ ہو بلکہ سیدھی ہو جائے تو وہ پسلی کہلانے کے لائق نہیں، پسلی کا حسن اور صحت یہ ہے کہ وہ ٹیڑھی ہو، اگر وہ پسلی سیدھی ہو جائے تو وہ بیمار ہے۔

ٹیڑھا ہونا ایک اضافی چیز ہے

درحقیقت اس حدیث کے ذریعے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ بتلانا چاہ رہے ہیں کہ ٹیڑھا ہونا اور سیدھا ہونا ایک اضافی چیز ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک چیز کو ایک نگاہ سے دیکھو تو وہ سیدھی ہے اور دوسری نگاہ سے دیکھو تو وہ ٹیڑھی ہے۔ دیکھئے! سامنے مسجد کے باہر جو سڑک ہے، اگر مسجد کے اندر سے دیکھو تو وہ یہ نظر آئے گا کہ یہ سڑک ٹیڑھی ہے، اس

لئے کہ مسجد کی نسبت سے سڑک ٹیڑھی ہے۔ اور اگر سڑک پر کھڑے ہو کر دیکھو تو یہ نظر آئے گا کہ سڑک سیدھی ہے اور مسجد ٹیڑھی ہے، حالانکہ نہ سڑک ٹیڑھی ہے، نہ مسجد ٹیڑھی ہے، اس لئے کہ مسجد کے لئے یہ ضروری تھا کہ وہ قبلہ رخ ہو۔ لہٰذا کسی چیز کا سیدھا اور ٹیڑھا ہونا اضافی صفت ہے، ایک چیز ایک لحاظ سے ٹیڑھی ہے اور دوسرے لحاظ سے سیدھی ہے۔

عورت کا ٹیڑھاپن فطری ہے

بہرحال! اس حدیث کے ذریعہ یہ بتانا مقصود ہے کہ چونکہ تمہاری طبیعت عورت کی طبیعت سے مختلف ہے، لہٰذا تمہارے لحاظ سے وہ ٹیڑھی ہے، لیکن حقیقت میں وہ ٹیڑھاپن اس کی فطرت کا حصّہ ہے۔ جس طرح پسلی کی فطرت کا حصّہ یہ ہے کہ وہ ٹیڑھی ہو، اگر پسلی سیدھی ہو جائے تو اس کو "عیب" کہا جائے گا اور ڈاکٹر اس کو دوبارہ ٹیڑھی کرنے کی کوشش کرے گا، اس لئے کہ اس کی فطرت کے اندر ٹیڑھاپن موجود ہے۔ لہٰذا اس حدیث کے ذریعہ عورت کی برائی بیان نہیں کی جارہی ہے، بلکہ یہ کہا جارہا ہے کہ چونکہ عورت کی طبیعت تمہاری طبیعت کے لحاظ سے مختلف ہے، اس لئے تمہیں ٹیڑھی معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو سیدھا کرنے کی فکر مت کرنا، کیونکہ اس کو سیدھا کرنا ایسا ہی ہوگا جیسے پسلی کو سیدھا کرنا، اور اگر تم اس کو سیدھا کرنے کی کوشش کروگے تو اس کو توڑ ڈالو گے، اور اگر تم اس کو اس کی حالت پر چھوڑ دوگے تو اس

کے ٹیڑھا ہونے کے باوجود تم اس سے فائدہ اٹھاؤ گے۔

بڑھیا اور عقاب کا واقعہ

عربی سکھانے کی ایک کتاب "مفید الطالبین" میں ایک قصّہ لکھا ہے کہ بادشاہ کا ایک عقاب اڑ کر ایک بڑھیا کے پاس پہنچ گیا، اس بڑھیا نے اس کو پکڑ کر اس کو پالنا شروع کیا۔ جب بڑھیا نے یہ دیکھا کہ اس کی چونچ ٹیڑھی ہے اور اس کے پنجے ٹیڑھے ہیں، تو بڑھیا کو اس پر بڑا ترس آیا کہ یہ بیچارہ پرندہ ہے، اللہ کی مخلوق ہے، جب اس کو کھانے کی ضرورت ہوتی ہوگی تو یہ کیسے کھاتا ہوگا، کیونکہ اس کی چونچ ٹیڑھی ہے، اور جب اس کو چلنے کی ضرورت ہوتی ہوگی تو یہ چلتا کیسے ہوگا، اس لئے کہ اس کے پنجے ٹیڑھے ہیں۔ اس بڑھیا نے سوچا کہ میں اس کی یہ مشکل آسان کروں، چنانچہ قینچی سے پہلے اس کی چونچ کاٹی، اور پھر اس کے پنجے کاٹے، جس کے نتیجے میں اس کا خون بہنے لگا اور وہ زخمی ہو گیا، جتنا پہلے چل سکتا تھا، اس سے بھی وہ معذور ہو گیا۔ یہ واقعہ نادان کی محبّت کی مثال میں پیش کیا جاتا ہے، کیونکہ اس بڑھیا نے اس عقاب کے ساتھ محبّت تو کی، لیکن نادانی اور بے عقلی کے ساتھ محبّت کی، اور یہ نہ سوچا کہ اس کی چونچ اور اس کے پنجوں کا ٹیڑھا ہونا اس کی فطرت کا حصّہ ہے اور اس کا حسن اس کے ٹیڑھے پن میں ہے، اگر اس کے یہ اعضاء ٹیڑھے نہ ہوں تو یہ "عقاب" کہلانے کا مستحق نہیں۔

کبھی سکون نصیب نہیں ہو گا

بہر حال! جب بھی دو آدمیوں کے درمیان تعلقات ہوں گے، چاہے وہ مرد ہوں، یا عورتیں ہوں، اس تعلق کے نتیجے میں طبیعتوں کا اختلاف ضرور ظاہر ہو گا، اور اس اختلاف کے نتیجے میں ایک کو دوسرے سے تکلیف بھی پہنچے گی۔ اب دو ہی راستے ہیں: ایک راستہ تو یہ ہے کہ جب بھی دوسرے سے تمہیں کوئی تکلیف پہنچے تو اس پر اس سے لڑو، اور اس تکلیف کو آپس میں چپقلش اور ناچاقی کا سبب بناؤ، اگر تم یہ راستہ اختیار کرو گے تو تمہیں کبھی بھی چین اور سکون نصیب نہیں ہو گا۔

دوسروں کی تکالیف پر صبر

دوسرا راستہ یہ ہے کہ جب دوسرے سے تکلیف پہنچے تو یہ سوچ لو کہ جب طبیعتیں مختلف ہیں تو تکلیف تو پہنچنی ہی ہے اور زندگی بھی ساتھ گزارنی ہے، اور یہ زندگی ہمیشہ کی زندگی تو ہے نہیں کہ ہمیشہ ہمیشہ یہیں رہنا ہو، بلکہ چند دنوں کے لئے اس دنیا میں آئے ہیں، نہ جانے کس وقت یہاں سے روانہ ہو جائیں۔ لہٰذا اس چند روزہ زندگی میں اگر دوسرے سے تمہیں کوئی تکلیف پہنچ رہی ہے تو اس پر اللہ کے لئے صبر کرلو۔ یہ ٹھیک ہے کہ جب تمہیں تکلیف پہنچے گی تو اس وقت تمہارے دل میں اشتعال پیدا ہو گا، غصہ آئے گا، اور دل یہ چاہے گا کہ میں اس کا منہ نوچ ڈالوں، اس کو برا بھلا

کہوں، اس کی غیبت کروں، اس کی برائی بیان کروں، اس کو بدنام کروں، اس لئے کہ اس نے تمہیں تکلیف پہنچائی ہے۔

تمہیں کیا فائدہ حاصل ہوگا؟

لیکن یہ سوچو کہ اگر تم نے یہ کام کر لئے تو تمہیں کیا فائدہ حاصل ہوا؟ ہاں یہ ہوا کہ معاشرے میں لڑائی جھگڑا پھیلا اور ذرا سا دل کا جذبہ ٹھنڈا ہوگیا۔ لیکن حقیقت میں دل کا جذبہ ٹھنڈا نہیں ہوتا، کیونکہ جب ایک مرتبہ دشمنی کی آگ بھڑک جاتی ہے تو پھر وہ ٹھنڈی نہیں ہوتی بلکہ اور بڑھتی رہتی ہے۔ چلئے مان لیجئے کہ یہ تھوڑا سا فائدہ حاصل ہوگیا، لیکن اس بدلہ لینے میں تم نے جو زیادتی کی ہوگی اس کا تمہیں قیامت کے دن جو حساب دینا ہوگا اور اس پر تمہیں جو عذاب جھیلنا ہوگا وہ عذاب اس سے کہیں زیادہ ہے کہ دنیا میں اس کی تکلیف پر صبر کر لیتے اور یہ سوچتے کہ چلو اس نے اگرچہ میرے ساتھ زیادتی کی ہے، لیکن میں اس پر صبر کرتا ہوں اور اپنا معاملہ اللہ کے حوالے کرتا ہوں۔

صبر کرنے کا اجر

اگر صبر کر لیا تو اس پر اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے:

اِنَّمَا یُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ۔

(سورۃ الزمر، آیت ۱۰)

یعنی اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر عطا فرماتے ہیں۔

کوئی گنتی ہی نہیں، اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو گنتی بیان کر دیتے، لیکن ہم لوگ گنتی سے عاجز ہیں، ہمارے پاس تو گنتی کے لئے چند عدد ہیں، مثلاً ہزار، لاکھ، کروڑ، ارب، کھرب، پدم، بس آگے کوئی اور لفظ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتے تو صبر کا اجر دینے کے لئے کوئی لفظ پیدا فرما دیتے، لیکن اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ صبر کرنے والے کو اجر دینے کے لئے کوئی گنتی ہی نہیں۔

مثلاً اگر کسی نے تمہیں ایک مکا مار دیا، اب اگر بدلہ میں تم نے بھی اس کو ایک مکا مار دیا تو تمہارے لئے یہ بدلہ لینا جائز تھا، لیکن اس بدلہ لینے کے نتیجے میں تمہیں کیا ملا؟ کچھ نہیں۔ اور اگر تم نے صبر کر لیا اور بدلہ نہ لیا تو اس پر اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ تمہیں اتنا اجر دوں گا کہ تم شمار بھی نہیں کر سکو گے۔ لہٰذا صبر پر ملنے والے اس اجر و ثواب کو سوچ کر غصہ پی جاؤ اور بدلہ نہ لو۔

بدلہ لینے سے کیا فائدہ؟

اور اگر کوئی دوسرا شخص تمہیں تکلیف پہنچا رہا ہے تو شریعت نے تمہیں اس کی اجازت دی ہے کہ اس تکلیف کو جس حد تک روکنا تمہارے لئے ممکن ہے، اس حد تک اس کا راستہ بند کرنے کی کوشش کر لو، لیکن اپنے اوقات کو اس تکلیف دینے والے کے درپے آزار ہونے میں صرف کرنا،

اوقات کا اس سے بڑا ضیاع کوئی نہیں۔ مثلاً آپ نے کسی سے سنا کہ فلاں آدمی مجلس کے اندر آپ کی برائی کر رہا تھا، اب اگر تمہیں پتہ ہی نہ چلتا کہ فلاں آدمی برائی کر رہا تھا، پھر تو کچھ بھی نہ ہوتا، لیکن دوسرے شخص نے تمہیں بتادیا، اس کے نتیجے میں تمہارے دل پر چوٹ لگ گئی، اب ایک راستہ یہ ہے کہ تم اس کی کھوج میں لگ جاؤ کہ اس مجلس میں کون کون موجود تھے اور پھر ان میں سے ہر ایک کے پاس جاکر تفتیش کرو کہ فلاں نے میری کیا برائی بیان کی؟ اور ہر ایک سے گواہی لیتے پھرو، اور اپنا سارا وقت اس کام میں خرچ کردو، تو اس کا حاصل کیا نکلا؟ کچھ بھی نہیں۔ اس کے برخلاف اگر تم نے یہ سوچا کہ اگر فلاں شخص نے میری برائی بیان کی تھی تو وہ جانے، اس کا اللہ جانے، اس کے اچھا کہنے سے نہ میں اچھا ہو سکتا ہوں، اور اس کے برا کہنے سے نہ میں برا ہو سکتا ہوں، میرا معاملہ تو میرے اللہ کے ساتھ ہے، اگر میرا معاملہ میرے اللہ کے ساتھ درست ہے تو پھر دنیا مجھے کچھ بھی کہتی رہے، مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں۔

خلقے پس او دیوانہ و دیوانہ بکارے

ساری مخلوق اگر میری برائی کرتی ہے تو کرتی رہے۔ میرا معاملہ تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔

اگر یہ سوچ کر تم اپنے کام میں لگ جاؤ تو یہ ''صبر علی الاذیٰ'' ہے جس پر اللہ تعالیٰ بے حساب اجر عطا فرمائیں گے۔

برابر کا بدلہ لو

اور اگر تم نے دل کی آگ ٹھنڈی کرنے کے لئے بدلہ لینے کا ہی ارادہ کر لیا کہ میں تو بدلہ ضرور لوں گا، تو بدلہ لینے کے لئے وہ ترازو اور پیمانہ کہاں سے لاؤ گے جس سے یہ پتہ چلے کہ میں نے بھی اتنی ہی تکلیف پہنچائی ہے جتنی تکلیف اس نے پہنچائی تھی؟ اگر تم تکلیف پہنچانے میں ایک انچ اور ایک تولہ آگے بڑھ گئے تو اس پر آخرت میں جو پکڑ ہوگی اس کا حساب کون کرے گا؟ اس لئے بدلہ لینے کا آپ کو حق حاصل ہے، مگر یہ حق بڑا خطرناک ہے۔ لیکن اگر تم نے معاف کر دیا تو اس پر بے حساب اجر و ثواب کے مستحق بن جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ۔

(سورۂ النحل، آیت ۱۲۶)

یعنی اگر صبر کرو تو صبر کرنا بدرجہا بہتر ہے صبر کرنے والوں کے لئے۔

خلاصہ

بہرحال! جب لوگوں کے ساتھ رہو گے، ان کے ساتھ تعلقات رکھو گے، اور ان کے ساتھ معاملات ہوں گے تو پھر تکلیفیں بھی پہنچیں گی۔ لیکن اس کا نسخہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتادیا کہ ان تکلیفوں پر صبر کرے۔ اور ہر شخص اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر سوچے کہ اگر ہر انسان اس نسخے

پر عمل کر لے اور یہ سوچ لے کہ ذوسرے کی طرف سے جو خلاف طبع امور پیش آئیں گے، اس پر حتی الامکان صبر کروں گا، تو دنیا سے تمام جھگڑے اور فساد ختم ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ کو بھی اس عظیم نسخے پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

خاندانی اختلافات کا تیسرا سبب

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقامِ خطاب ـــــ جامع مسجد دارالعلوم کراچی

وقتِ خطاب ـــــ بعد عصر تا مغرب

تعداد صفحات ـــــ ۲۳

جلد نمبر ـــــ ۱۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خاندانی اختلافات کے اسباب

اور ان کا حل

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ
نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ
اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا
مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِىَ لَهٗ وَأَشْهَدُاَنْ لَّا
اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُاَنَّ
سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَعَلىٰ اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا۔

أَمَّا بَعْدُ!

عن أبى موسىٰ رضى اللّٰه تعالىٰ عنه عن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم قال: ما أحد اصبر على اذىً سمعه من اللّٰه يدعون له الولد ثم يعافيهم ويرزقهم۔

(بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ: **اِن اللّٰه هو الرزّاق ذو القوة المتين**)

دوسروں سے پہنچنے والی تکلیفوں پر صبر

پچھلے اتوار ایک حدیث پڑھی تھی، جس کی تشریح میں میں نے عرض کیا تھا کہ مسلمانوں کے درمیان آپس میں ناچاقیاں اور اختلافات اور بغض و عداوت یہ ایک بہت بڑی دینی اور معاشرتی بیماری ہے، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیماری سے بچانے کے لئے اور مسلمانوں کے درمیان محبّت اور اخوّت قائم کرنے کے لئے بہت سی ہدایات عطا فرمائی ہیں، ان ہدایات میں سے ایک ہدایت پچھلے بیان میں عرض کی تھی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص دوسروں کے ساتھ ملا جلا رہتا ہے اور پھر لوگوں سے پہنچنے والی تکلیفوں پر صبر کرتا ہے تو وہ اس شخص سے بدرجہا بہتر ہے جو لوگوں کے ساتھ میل جول نہیں رکھتا اور جس کے نتیجے

میں لوگوں سے پہنچنے والی تکالیف پر صبر کرنے کی نوبت نہیں آتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپس کے اختلاف اور ناچاقی کا بہت بڑا سبب یہ ہوتا ہے کہ دوسروں سے پہنچنے والی تکلیفوں پر صبر نہ کیا جائے، ساتھ رہنے کے نتیجے میں دوسرے سے کبھی نہ کبھی کوئی نہ کوئی تکلیف ضرور پہنچے گی، لیکن اس تکلیف پر انسان کو صبر کرنا چاہئے۔

سب سے زیادہ صبر کرنے والی ذات

اسی ہدایت کی تاکید کے طور پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ حدیث ارشاد فرمائی جو ابھی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس کائنات میں کوئی بھی ذات دوسرے سے پہنچنے والی تکلیف پر اتنا صبر کرنے والی نہیں جتنی اللہ جل شانہ کی ذات صبر کرنے والی ہے۔ لوگ اللہ جلّ جلالہ کو ایسی باتیں کہتے ہیں جو ایذاء اور تکلیف کا ذریعہ ہوتی ہیں، چنانچہ بعض لوگ اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹا مانتے ہیں جیسے عیسائی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ معاذ اللہ۔ بعض یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنا دیا، بعض مشرکین نے فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیدیا، بہت سے لوگوں نے پتھروں کو، درختوں کو، یہاں تک کہ جانوروں کو، گائے بیل کو، سانپ بچھو کو خدا ماننا شروع کر دیا۔ جس ذات نے ان سب انسانوں کو

پیدا کیا اور فرشتوں کو یہ بتا کر پیدا کیا کہ میں انسان کو زمین میں اپنا خلیفہ بنارہا ہوں، وہی انسان اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہرا رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی بردباری دیکھئے

یہ انسان اللہ تعالیٰ کو تکلیف پہنچانے والے کام کر رہے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی بردباری دیکھئے کہ یہ سب باتیں سنتے ہیں، اس کے باوجود ان انسانوں کو عافیت بھی دے رکھی ہے اور ان کو رزق بھی دے رکھا ہے۔ اس کائنات میں آپ دیکھیں تو یہ نظر آئے گا کہ کافروں اور مشرکوں کی تعداد زیادہ ہے، اور ہمیشہ سے ان کی تعداد زیادہ رہی ہے، اور قرآن کریم نے بھی کہدیا کہ:

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِى الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔

(سورۃ الانعام، آیت ۱۱۶)

یعنی اگر آپ زمین میں رہنے والوں کی اکثریت کے پیچھے چلیں گے تو وہ آپ کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے بھٹکا دے گی۔

اس لئے کہ انسانوں کی اکثریت تو کفر میں شرک میں اور فسق میں مبتلا ہے۔

جمہوریت کا فلسفہ ماننے کا نتیجہ

آج کل دنیا میں ''جمہوریت'' کا شور مچایا جارہا ہے، اور یہ کہا جارہا ہے کہ اکثریت جو بات کہدے وہ حق ہے۔ اگر یہ اصول تسلیم کرلیا جائے تو اس کا مطلب یہ نکلے گا کہ ''کفر'' برحق ہے اور ''اسلام'' باطل ہے۔ العیاذ باللہ۔ اس لئے کہ روئے زمین پر بسنے والے انسانوں کی اکثریت یا تو کفر میں مبتلا ہے یا شرک میں مبتلا ہے، اور جو لوگ مسلمان کہلاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے قائل ہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان رکھتے ہیں، آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، ان میں بھی آپ دیکھیں تو یہ نظر آئے گا کہ ٹھیک ٹھیک شریعت کے دائرہ پر چلنے والوں کی تعداد بہت تھوڑی ہے اور بے فکر، بے پرواہ اور فسق و فجور کے اندر مبتلا اور معصیتوں میں گرفتار انسانوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

کافروں کے ساتھ حسن سلوک

اس روئے زمین پر کفر بھی ہو رہا ہے، شرک بھی ہو رہا ہے، معصیت بھی ہو رہی ہے، فسق و فجور بھی ہو رہا ہے، لیکن ان سب چیزوں کو دیکھنے کے باوجود انہی لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ کے وجود تک کا انکار کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو رزق عطا فرما رہے ہیں، ان کو عافیت دے رکھی ہے اور ان پر دنیا میں نعمتوں کی بارش ہو رہی ہے۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ کا حلم اور بردباری، اللہ

تعالیٰ سے زیادہ کون ان ایذاؤں پر صبر کرنے والا ہوگا۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

برخوان یغما چہ دشمن چہ دوست

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں رزق کا جو دستر خوان بچھایا ہوا ہے، اس میں دوست دشمن سب برابر ہیں، دوست کو بھی کھلا رہے ہیں، دشمن کو بھی کھلا رہے ہیں، بلکہ بعض اوقات دشمن کو زیادہ کھلا رہے ہیں۔ اس وقت آپ کافروں اور مشرکوں کو دیکھیں تو یہ نظر آئے گا کہ ان کے پاس دولت کے انبار لگے ہوئے ہیں، جبکہ مسلمانوں پر بعض اوقات فقر و فاقہ بھی گزر جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کی باتوں کو سننے کے باوجود ان کے ساتھ حلم کا معاملہ فرمارہے ہیں، ان کو عافیت اور رزق عطا فرمارہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے اخلاق اپنے اندر پیدا کرو

بہر حال! اللہ تعالیٰ کے اس حلم کو دیکھئے اور پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر عمل کریں کہ آپ نے فرمایا:

تَخلَّقُوا باخلاق الله۔

اے انسانو! تم اللہ تعالیٰ کے اخلاق حاصل کرنے کی اور ان کو اپنانے کی کوشش کرو، اگرچہ سو فیصد تو حاصل نہیں ہو سکتے، لیکن اس بات کی کوشش کرو کہ وہ اخلاق تمہارے اندر بھی آجائیں۔ جب اللہ جلّ جلالہ لوگوں کی ایذاء رسانیوں پر اتنا صبر فرمارہے ہیں، تو اے اللہ کے بندو! تم بھی

لوگوں کی ایذاء رسانیوں پر صبر کرو، اور دوسرے سے اگر تمہیں تکلیف پہنچ رہی ہے تو اس کو برداشت کرنے کی عادت ڈالو۔

دنیا میں بدلہ نہ لو

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں صبر فرما رہے ہیں اور کافروں اور مشرکوں کو عافیت اور رزق دے رکھا ہے، یہ دنیا میں ترقی کر رہے ہیں، لیکن جب آخرت میں اللہ تعالیٰ ان کو پکڑیں گے تو پھر چھوٹ نہیں پائیں گے، اور ان کو ایسا سخت عذاب دیں گے کہ یہ اس سے بچ نہیں سکیں گے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ دنیا میں صبر کا معاملہ فرمایا ہے تو تم بھی یہ معاملہ کرلو کہ دنیا میں جس شخص سے تمہیں تکلیف پہنچ رہی ہے، اس سے کہدو کہ میں تم سے بدلہ نہیں لیتا اور میں نے تمہارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیا، آخرت میں اللہ تعالیٰ خود انصاف کرادیں گے، لہٰذا تم اپنا معاملہ اللہ کے حوالے کردو۔ اس لئے کہ تم دنیا میں اس تکلیف پر جو بدلہ لوگے وہ بدلہ اس انتقام کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا جو آخرت میں اللہ تعالیٰ لیں گے۔ لہٰذا اگر تمہیں بدلہ لینے کا شوق ہے تو پھر یہاں پر بدلہ نہ لو بلکہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دو۔

معاف کرنا بہتر ہے

تمہارے لئے بہتر تو یہ ہے کہ معاف ہی کردو، اس لئے کہ جب تم

معاف کردو گے تو اللہ تعالیٰ خود کفالت فرمائیں گے اور تمہاری حاجتیں پوری فرمائیں گے اور تمہیں جو تکلیفیں پہنچی ہیں وہ ختم فرمائیں گے، چنانچہ اللہ کے بندے معاف ہی فرمادیتے ہیں۔ ہم نے اپنے بزرگوں سے حضرت میاں جی نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ سنا جو ہمارے دادا پیر ہیں اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ تھے، ان کی عادت یہ تھی کہ جب کوئی شخص ان کو تکلیف پہنچاتا تو فرماتے کہ یا اللہ! میں نے اس کو معاف کر دیا، حتیٰ کہ اگر کوئی چور مال چوری کر کے لے جاتا تو آپ فرماتے کہ یا اللہ! میں نے یہ مال اس کے لئے حلال کر دیا، میں اس سے بدلہ لے کر اور اس کو عذاب دلوا کر کیا کروں گا۔ ہر وقت اللہ کے ذکر میں مشغول رہتے، جب بازار کوئی چیز خریدنے جاتے تو پیسوں کی تھیلی ہاتھ میں ہوتی، سامان خریدنے کے بعد وہ تھیلی دکاندار کو پکڑا دیتے کہ اس تھیلی میں سے اس کی قیمت لے لے، خود نہ گنتے، اس لئے کہ جتنا وقت نکال کر گننے میں لگے گا اتنا وقت میں ذکر میں مشغول رہوں گا۔

حضرت میاں جی نور محمدؒ کا ایک واقعہ

ایک مرتبہ بازار سے گزر رہے تھے، ہاتھ میں پیسوں کی تھیلی تھی، ایک چور کو پتہ چل گیا کہ میاں صاحب کے پاس پیسوں کی تھیلی ہے، وہ چور پیچھے سے آیا اور تھیلی چھین کر بھاگ گیا۔ میاں جی نے مڑ کر بھی نہیں دیکھا کہ کون تھیلی چھین کر لے گیا، یہ سوچا کہ کون اس کے پیچھے بھاگے اور

تحقیق کرے کہ کون لے گیا۔ بس ذکر کرتے ہوئے اپنے گھر کی طرف چل دیے اور دل میں یہ نیت کرلی کہ اے اللہ! جس چور نے یہ پیسے لئے ہیں، وہ پیسے میں نے اس کو معاف کر دیے اور اس کے لئے وہ پیسے ہبہ کر دیے۔ اب وہ چور چوری کر کے مصیبت میں پھنس گیا، اور اپنے گھر کی طرف جانا چاہتا ہے لیکن ان گلیوں سے نکلنے کا راستہ نہیں پاتا، ایک گلی سے دوسری گلی میں، دوسری سے تیسری گلی میں آجاتا، وہ گلیاں اس کے لئے بھول بھلیاں بن گئیں، جہاں سے چلتا، دوبارہ وہاں پہنچ جاتا، نکلنے کا راستہ ہی اس کو نہ ملتا، جب کئی گھنٹے گزر گئے اور چلتے چلتے تھک گیا تو اس کے دماغ میں یہ خیال آیا کہ یہ بڑے میاں کی کوئی کرامت معلوم ہوتی ہے، میں نے ان کے پیسے چھینے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے میرا راستہ بند کر دیا۔ اب کیا کروں؟ اس نے سوچا کہ اب یہی راستہ ہے کہ ان بزرگ کے پاس دوبارہ واپس جاؤں اور ان سے درخواست کروں کہ خدا کے لئے یہ پیسے لے لو اور اللہ تعالیٰ سے دعا کر کے میری جان چھڑاؤ۔ چنانچہ میاں صاحب کے گھر کے دروازے پر پہنچا اور دستک دی، میاں صاحب نے پوچھا کہ کون ہے؟ اس نے کہا کہ حضور! میں نے آپ کے پیسے چھین لئے تھے، مجھ سے غلطی ہو گئی تھی، خدا کے لئے یہ پیسے واپس لے لو۔ میاں صاحب نے فرمایا کہ میں نے یہ پیسے تمہارے لئے حلال کر دیئے اور تمہیں ہبہ کر چکا، اب یہ پیسے میرے نہیں رہے، میں نے تمہیں دیدئے، اب میں واپس نہیں لے سکتا۔ اس چور نے کہا کہ خدا کے لئے یہ پیسے واپس لے لو۔ اب دونوں کے درمیان بحث ہو رہی ہے، چور کہتا

ہے کہ خدا کے لئے پیسے لے لو، وہ کہتے ہیں کہ میں نہیں لیتا، میں توبہ کر چکا۔ آخر کار میاں جی نے پوچھا کہ کیوں واپس کرنا چاہتے ہو؟ اس نے کہا حضرت! بات یہ ہے کہ میں اپنے گھر جانا چاہتا ہوں مگر راستہ نہیں مل رہا ہے، میں کئی گھنٹوں سے ان گلیوں میں بھٹک رہا ہوں۔ میاں جی نے فرمایا کہ اچھا میں دعا کر دیتا ہوں، تمہیں راستہ مل جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے دعا کی اور اس کو راستہ مل گیا۔

کسی کی طرف سے "بُغض" نہ رکھو

بہر حال! ان اللہ والوں کو اگر کوئی تکلیف بھی پہنچائے تو یہ اللہ والے اس کے ساتھ بھی "بُغض" نہیں رکھتے، بُغض ان کی گلی میں گزرا ہی نہیں۔

کفر است در طریقتِ ماکینہ داشتن
آئین ما است سینہ چوں آئینہ داشتن

ہماری طریقت میں کسی شخص سے "بغض" رکھنا کفر کی طرح ہے۔ ہمارا آئین تو یہ ہے کہ ہمارا دل آئینہ کی طرح ہوتا ہے، اس پر کسی کے بغض، عناد اور دشمنی کا کوئی داغ نہیں ہے۔

بدلہ اللہ پر چھوڑ دو

لہٰذا جو تمہیں تکلیف پہنچائے، اس کو اللہ کے لئے معاف کر دو، اور اگر بدلہ لینا ہی ہے تو اس بدلے کو اللہ پر چھوڑ دو۔ اس لئے کہ اگر خود بدلہ لو

گے تو اس سے لڑائی جھگڑے پیدا ہونے کا اندیشہ ہے، کیونکہ یہ معلوم نہیں ہوگا کہ جتنا تمہیں بدلہ لینے کا حق تھا اتنا ہی بدلہ لیا یا اس سے زیادہ بدلہ لے لیا۔ اس لئے اگر زیادہ بدلہ لے لیا تو قیامت کے دن تمہاری گردن پکڑی جائے گی، اس لئے بدلہ اللہ پر چھوڑ دو۔

ہر انسان اپنے فرائض کو ادا کرے

البتہ یہاں ایک بات سمجھ لینی چاہئے، وہ یہ کہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ہر انسان کو اس کے فرائض کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ تمہارا فریضہ یہ ہے، تمہارا یہ کام ہونا چاہئے، تمہارا طریقہ کار یہ ہونا چاہئے۔ لہٰذا جس شخص کو تکلیف پہنچی ہے اس کو تو آپ صبر کرنے کی تلقین فرما رہے ہیں کہ تم صبر کرو اور معاف کر دو، بدلہ نہ لو، اس سے بُغض اور عداوت نہ رکھو، اور اس تکلیف کو اختلاف اور انتشار کا ذریعہ نہ بناؤ۔ لیکن دوسری طرف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تکلیف پہنچانے والے کو دوسرے انداز سے خطاب فرمایا تاکہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جس شخص کو تکلیف پہنچی ہے، اس کو صبر کی تلقین فرما رہے ہیں تو پھر تکلیف پہنچانے میں بھی کوئی حرج نہیں، ایسا نہیں۔

دوسروں کو تکلیف مت دو

بلکہ تکلیف پہنچانے والے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا تو یہ فرمان ہے

کہ کسی بھی انسان کو اگر تمہاری ذات سے کوئی تکلیف پہنچی تو میں اس وقت تک معاف نہیں کروں گا جب تک وہ بندہ معاف نہ کر دے یا تم اس کے حق کی تلافی نہ کر دو۔ لہٰذا کسی بھی انسان کو تکلیف پہنچانے سے بچو، کسی بھی قیمت پر ایسا اقدام نہ کرو جس سے دوسرے کو تکلیف پہنچے۔

چیف جسٹس کا روزانہ دوسو رکعت نفل پڑھنا

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ جو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں، اور بڑے درجے کے فقہاء میں سے ہیں، فقیہ ہونے کی حیثیت سے تو مشہور ہیں، البتہ ولی اللہ ہونے کی حیثیت سے معروف نہیں ہیں، لیکن ان کے واقعات میں لکھا ہے کہ جب "قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) بن گئے، تو اس کے بعد اپنی تمام مشغولیت کے باوجود دن بھر میں دوسو رکعت نفل پڑھا کرتے تھے۔ جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو کسی نے دیکھا کہ ان کے چہرے پر فکر اور تشویش کے آثار ہیں، ان سے پوچھا کہ آپ کو کس چیز کی فکر اور تشویش ہے؟ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونے کا وقت قریب آرہا ہے، اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونا ہے، وہاں پر اپنی زندگی کے اعمال کا کیا جواب دوں گا۔ اور تمام واقعات کے بارے میں مجھے یاد ہے کہ میں ان سے توبہ کر چکا ہوں اور استغفار کر چکا ہوں، اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں گے۔

یہ ناانصافی مجھ سے ہو گئی

لیکن ایک واقعہ ایسا یاد آ رہا ہے جس کی وجہ سے مجھے بہت سخت تشویش ہے، وہ واقعہ یہ ہے کہ جس وقت میں "قاضی" کے عہدے پر تھا، اور لوگوں کے درمیان فیصلے کیا کرتا تھا، اس دوران ایک مرتبہ ایک مسلمان اور ایک غیر مسلم کا مقدمہ میرے پاس آیا، میں نے مقدمہ سنتے وقت مسلمان کو تو اچھی جگہ پر بٹھایا اور غیر مسلم کو اس سے کمتر جگہ پر بٹھایا، حالانکہ شریعت کا حکم یہ ہے کہ جب تمہارے پاس مقدمہ کے دو فریق آئیں تو ان کے درمیان مجلس بھی برابر ہونی چاہئے، جس جگہ پر مدعی کو بٹھایا ہے اسی جگہ پر مدعا علیہ کو بھی بٹھاؤ، ایسا نہ ہو کہ دونوں کے درمیان نشست کے اندر فرق کر کے ناانصافی کی جائے۔ مجھ سے یہ ناانصافی ہو گئی ہے، اگرچہ میں نے فیصلہ تو حق کے مطابق کیا الحمد للہ، لیکن بٹھانے کی ترتیب میں شریعت کا جو حکم ہے اس میں رعایت نہ رہ سکی۔ مجھے اس کی تشویش ہو رہی ہے کہ اگر اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پوچھ لیا تو کیا جواب دوں گا، کیونکہ یہ ایسی چیز ہے جو کہ توبہ سے معاف نہیں ہو سکتی جب تک کہ صاحب حق معاف نہ کرے۔

حقیقی مسلمان کون؟

لہٰذا صرف مسلمان ہی نہیں، غیر مسلموں کے بھی شریعت نے حقوق

بتائے ہیں، حتیٰ کہ جانوروں کے بھی حقوق شریعت نے بیان کئے ہیں، احادیث میں کئی واقعات آئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جانوروں کے ساتھ زیادتی کرنے کے نتیجے میں لوگوں پر کیسے کیسے عذاب آئے۔ بہرحال! ایک طرف تو یہ کہا جارہا ہے کہ خبردار! اپنی ایک ایک نقل و حرکت میں اور اپنے ایک ایک انداز و اداء میں اس بات کا خیال رکھو کہ تمہاری ذات سے دوسرے کو ادنیٰ سی تکلیف بھی نہ پہنچے۔ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده۔

(بخاری، کتاب الایمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانہ)

مسلمان وہی ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ اس کی ذات سے دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے۔

یہ اتنی خطرناک چیز ہے کہ اس کی معافی کا کوئی راستہ نہیں، سوائے اس کے کہ صاحب حق معاف کرے۔ لہٰذا ایک طرف تو ہر ایک انسان کو یہ تنبیہ کر دی کہ تمہاری ذات سے دوسرے کو تکلیف نہیں پہنچنی چاہئے، اور دوسری طرف یہ کہدیا کہ اگر تمہیں دوسرے سے تکلیف پہنچے تو اس پر صبر کرو اور اس کو معاف کردو، اس کی وجہ سے اس سے بغض اور عداوت نہ رکھو اور اس کو افتراق کا ذریعہ نہ بناؤ۔ یہ وہ تعلیم ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائی۔

حضور اقدس ﷺ کی تربیت کا انداز

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دس ہزار صحابہ کرام کے ساتھ مکہ مکرمہ فتح فرمالیا، ان صحابہ میں مہاجرین بھی تھے اور انصار بھی تھے، پھر فتح مکہ کے بعد حنین کی جنگ پیش آئی، وہاں بھی اللہ تعالیٰ نے بالآخر فتح عطا فرمائی، اس پورے سفر میں بڑی مقدار میں مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ میں آیا، اس زمانے میں گائے، بیل، بکری کی شکل میں مال ہوتا تھا، چنانچہ جس کے پاس جتنے زیادہ جانور ہوتے اتنا ہی بڑا مالدار سمجھا جاتا تھا، تو مال غنیمت کے اندر بڑی مقدار میں جانور مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔

نئے مسلمانوں کے درمیان مال غنیمت کی تقسیم

جب مال غنیمت کی تقسیم کا وقت آیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ محسوس فرمایا کہ وہ لوگ جو مکہ مکرمہ کے آس پاس رہنے والے ہیں، یہ ابھی تازہ مسلمان ہوئے ہیں، ابھی اسلام ان کے دلوں کے اندر راسخ نہیں ہوا، اور ان میں سے بعض تو ایسے ہیں کہ ابھی مسلمان بھی نہیں ہوئے بلکہ اسلام کی طرف تھوڑا سا میلان ہوا ہے، اسلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ محسوس کیا کہ اگر ان کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے گا تو جو لوگ تازہ تازہ مسلمان ہوئے ہیں وہ اسلام پر پختہ ہو جائیں گے، اور جو لوگ

اسلام کی طرف مائل ہوئے ہیں وہ بھی اس کے نتیجے میں مسلمان ہو جائیں گے، پھر یہ لوگ مسلمانوں کے خلاف سازش نہیں کریں گے، لہٰذا جتنا مال غنیمت آیا تھا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ سارا کا سارا مال وہاں کے لوگوں کے درمیان تقسیم فرمادیا۔

منافقین کا کام لڑائی کرانا

اس وقت کوئی منافق انصارِ صحابہ کے پاس چلا گیا اور ان سے جاکر کہا کہ دیکھو تمہارے ساتھ کیسا سلوک ہو رہا ہے، لڑنے کے لئے مدینہ منورہ سے تم چل کر آئے، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ تم نے دیا، اور حضور ﷺ کے ساتھ جہاد کر کے تم نے اپنی جانیں دیں، لیکن مالِ غنیمت ان لوگوں میں تقسیم ہوگیا جو ابھی ابھی مسلمان ہوئے ہیں، اور جن کے خلاف تمہاری تلواریں چل رہی تھیں، اور جن کے خون سے تمہاری تلواریں اب بھی آلودہ ہیں، اور تمہیں مال غنیمت میں سے کچھ نہ ملا۔ چونکہ منافقین ہر جگہ ہوتے تھے، ان میں سے کسی نے صحابہ کے درمیان لڑائی کرانے کے لئے یہ بات چھیڑی تھی، اب انصار صحابہ میں جو عمر رسیدہ اور تجربہ کار حضرات تھے، ان کے دلوں میں کوئی خیال پیدا نہیں ہوا، وہ جانتے تھے کہ اس مال و دولت کی حقیقت کیا ہے؟

لیکن انصار صحابہ میں جو نوجوان تھے، ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہونے لگا کہ یہ عجیب معاملہ ہوا کہ سارا مال غنیمت انہی میں تقسیم ہوگیا اور

ہم لوگ جو جہاد میں شریک تھے، ہمیں کچھ نہ ملا۔

آپ کا حکیمانہ خطاب

حضور اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی کہ بعض انصار صحابہ کو یہ خیال ہو رہا ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ تمام انصار صحابہ کو ایک جگہ جمع کیا جائے۔ جب سب جمع ہو گئے تو آپ ﷺ نے انصار صحابہؓ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

اے گروہ انصار! تمہیں اللہ تعالیٰ نے ایمان کی دولت عطا فرمائی، تمہیں اللہ تعالیٰ نے نبیؐ کی میزبانی کا شرف عطا فرمایا، اور میں نے یہ مال غنیمت ان لوگوں میں تقسیم کر دیا جو یہاں کے رہنے والے ہیں تاکہ یہ ایمان پر پختہ اور راسخ ہو جائیں، اور کتنی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ میں جس کو مال غنیمت نہیں دیتا ہوں وہ زیادہ معزز اور محبوب ہوتا ہے اس کے مقابلے میں جس کو میں مال غنیمت دیتا ہوں، لیکن میں نے سنا ہے کہ بعض لوگوں کے دلوں میں اس قسم کا خیال پیدا ہوا ہے۔ پھر فرمایا: اے گروہ انصار! کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ جب یہ لوگ اپنے گھروں کو واپس جائیں تو ان کے ساتھ گائے، بیل، بکریاں ہوں، اور جب تم اپنے

گھروں کی طرف واپس جاؤ تو تمہارے ساتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔ بتاؤ ان میں سے کون افضل ہے؟

جس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی، اس وقت تمام لوگوں کے دلوں میں ٹھنڈک پڑ گئی، انصاری صحابہؓ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ہمارے لئے تو اس سے بڑا اعزاز کوئی نہیں ہے، یہ بات صرف چند نوجوانوں نے کہدی تھی ورنہ ہمارے جو بڑے ہیں ان میں سے کسی کے دل میں کوئی خیال پیدا نہیں ہوا، آپ ﷺ جیسا فیصلہ فرمائیں آپ ﷺ ہی کا فیصلہ برحق ہے۔

حضور ﷺ کے خاص الخاص کون تھے؟

جب یہ سارا قصہ ختم ہو گیا تو اس کے بعد پھر انصار صحابہؓ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

اے انصار خوب سن لو! تم میرے خاص الخاص لوگ ہو۔

لَوْ سَلَكَ النَّاسُ وَادِيًا لَسَلَكْتُ شِعبَ الْاَنْصَارِ۔

اگر لوگ ایک راستے پر جائیں اور انصار دوسرے راستے پر جائیں تو میں انصار والا راستہ اختیار کروں گا۔

انصار صحابہؓ کو صبر کرنے کی وصیّت

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

اے انصار! ابھی تک تو تمہارے ساتھ ناانصافی نہیں ہوئی، اور مجھے تمہارے ساتھ محبّت اور تعلق ہے وہ انشاء اللہ برقرار رہے گا، لیکن میں تمہیں پہلے سے بتا دیتا ہوں کہ میرے دنیا سے اٹھ جانے کے بعد تمہیں اس بات سے واسطہ پیش آئے گا کہ تمہارے مقابلے میں دوسروں کو زیادہ ترجیح دی جائے گی۔ یعنی جو امراء اور حکام بعد میں آنے والے ہیں، وہ تمہارے ساتھ اتنا اچھا سلوک نہیں کریں گے، جتنا اچھا سلوک مہاجرین اور دوسروں کے ساتھ کریں گے۔

اے گروہ انصار! میں تمہیں وصیّت کرتا ہوں کہ اگر تمہارے ساتھ ایسا سلوک ہو تو **فَاصْبِرُوْا حَتّٰی تَلْقَوْنِیْ عَلَی الْحَوْضِ** ۔ اس وقت تم صبر کرنا یہاں تک کہ حوض کوثر پر تم مجھ سے آملو۔

اس ارشاد میں آپ ﷺ نے پہلے سے یہ بتا دیا کہ آج تو تمہارے ساتھ ناانصافی نہیں ہوئی، لیکن آئندہ تمہارے ساتھ ناانصافی ہوگی اور میں تمہیں وصیّت کرتا ہوں کہ اس ناانصافی کے موقع پر صبر کرنا۔

انصار صحابہؓ کا اس وصیت پر عمل

آپ ﷺ نے ان انصار صحابہؓ سے یہ نہیں فرمایا کہ اس موقع پر "تحفظ حقوق انصار" کی ایک انجمن بنا لینا، پھر اپنے حقوق طلب کرنے کے لئے جھنڈا لے کر کھڑے ہو جانا اور بغاوت کا علم بلند کر دینا، بلکہ یہ فرمایا کہ اس وقت تم صبر کرنا یہاں تک کہ تم مجھ سے حوض کوثر پر آکر مل جاؤ۔ چنانچہ انصار صحابہؓ نے بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم پر ایسا عمل کر کے دکھایا کہ پوری تاریخ اسلام میں انصار کی طرف سے کوئی لڑائی اور جھگڑا آپ کو نہیں ملے گا۔ صحابہ کرامؓ کے درمیان مشاجرات ہوئے اور اس کے نتیجے میں جنگ جملؔ اور جنگ صفینؔ بھی ہوئیں، لیکن انصار صحابہؓ کی طرف سے امراء اور حکام کے خلاف کوئی بات پیش نہیں آئی۔

انصار کے حقوق کا خیال رکھنا

ایک طرف تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار صحابہؓ کو یہ وصیّت فرمائی، دوسری طرف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الوفات میں جب آپ ﷺ مسجد نبوی میں نماز کے لئے بھی تشریف نہیں لا رہے تھے، اس وقت لوگوں کو جو وصیّتیں فرمائیں، ان وصیّتوں میں ایک یہ تھی کہ یہ انصار صحابہؓ انہوں نے میری مدد کی ہے اور انہوں نے قدم قدم

پر ایمان کا مظاہرہ کیا ہے، لہٰذا ان کے حقوق کا خیال رکھنا، ایسا نہ ہو کہ ان انصار کے دل میں ناانصافی کا خیال پیدا ہو جائے۔ لہٰذا ایک طرف تو صحابہ کرام کو آپ نے یہ تلقین فرمائی کہ ان انصار کے حقوق کا خیال رکھنا، اور دوسری طرف انصار کو یہ تلقین کی کہ اگر کبھی تمہارے ساتھ ناانصافی ہو تو صبر کا معاملہ کرنا۔

ہر شخص اپنے حقوق بجالائے

لہٰذا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور تلقین یہ ہے کہ ہر شخص اپنے فریضے کو دیکھے کہ میرے ذمہ کیا فریضہ عائد ہوتا ہے؟ مجھ سے کیا مطالبہ ہے؟ اور میں اس فریضے کو اور اس مطالبے کو پورا کر رہا ہوں یا نہیں؟ اور جب ہر انسان کو یہ دھن لگ جاتی ہے کہ میں اپنا فریضہ صحیح طور پر ادا کروں اور میرے ذمے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو مطالبہ ہے وہ پورا کروں تو اس صورت میں سب کے حقوق ادا ہو جاتے ہیں۔

آج ہر شخص اپنے حقوق کا مطالبہ کر رہا ہے

آج دنیا میں اُلٹی گنگا بہہ رہی ہے، اور آج یہ سبق قوم کو پڑھایا جا رہا ہے کہ ہر شخص اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے کے لئے جھنڈا لے کر کھڑا ہو جائے کہ مجھے میرے حقوق ملنے چاہئیں، اس کے نتیجے میں وہ اس بات سے بے پرواہ ہے کہ میرے ذمے کیا فرائض اور حقوق عائد ہوتے ہیں؟ مجھ سے

کیا مطالبات ہیں؟ مزدور یہ نعرہ لگا رہا ہے کہ میرے حقوق مجھے ملنے چاہئیں، آجر کہہ رہا ہے کہ مجھے میرے حقوق ملنے چاہئیں، لیکن نہ مزدور کو اپنے فرائض کی پرواہ ہے اور نہ آجر کو اپنے فرائض کی پرواہ ہے، آج مزدور کو یہ حدیث تو خوب یاد ہے کہ مزدور کی مزدوری پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کردو، لیکن اس کی فکر نہیں کہ جو کام اس نے کیا ہے اس میں پسینہ بھی نکلا یا نہیں؟ اس کو اس کی فکر نہیں کہ میں نے جو کام کیا ہے، وہ واقعۃً اس لائق ہے کہ اس پر مزدوری دی جائے؟

ہر انسان اپنا جائزہ لے

لہٰذا ہر انسان اپنا جائزہ لے، اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھے کہ میں جو کام کر رہا ہوں، وہ درست ہے یا نہیں؟ اگر ایک شخص دفتر میں کام کر رہا ہے اس کو اس کی فکر تو ہوتی ہے کہ میری تنخواہ بڑھنی چاہئے، میرا فلاں گریڈ ہونا چاہئے، مجھے اتنی ترقیاں ملنی چاہئیں، لیکن کیا اس ملازم نے کبھی یہ بھی سوچا کہ دفتر کے اندر جو فرائض میرے ذمے عائد ہیں، وہ فرائض میں ٹھیک طریقے پر ادا کر رہا ہوں یا نہیں؟ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج لوگوں کے حقوق پامال ہو رہے ہیں، آج کسی کو اپنا حق نہیں مل رہا ہے، جبکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے کہ ہر ایک کو اس کے فرائض سے باخبر فرماتے ہیں کہ تمہارا یہ فریضہ ہے، لہٰذا تم اپنے اس فریضے کو ادا کرو۔ صرف یہی طریقہ ہے جو معاشرے کو اصلاح کی طرف لا سکتا ہے۔

خلاصہ

بہر حال! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ حلیم اور بردبار کوئی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ لوگوں کی نافرمانیاں اور ان کے کفر و شرک کو دیکھ رہے ہیں، لیکن پھر بھی صبر کرتے ہیں اور ان کو عافیت اور رزق دیتے ہیں۔ لہٰذا تم بھی اللہ تعالیٰ کے اس اخلاق کو اپنے اندر پیدا کرو اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

خاندانی اختلافات کا چوتھا سبب

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب ــــــ جامع مسجد دارالعلوم کراچی

وقت خطاب ــــــ بعد عصر تا مغرب

تعداد صفحات ــــــ ۱۲

جلد نمبر ــــــ ۱۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خاندانی اختلافات کے اسباب

اور ان کا حل

﴿چوتھا حصّہ﴾

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِىَ لَهٗ وَأَشْهَدُاَنْ لَّا إِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُاَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَعَلیٰ اٰلِـهٖ وَاَصْحَابِـهٖ
وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا كَثِیْرًا كَثِیْرًا۔
أَمَّا بَعْدُ!

اختلافات کا ایک اور سبب

گزشتہ چند ہفتوں سے خاندانی اختلافات کے مختلف اسباب کا بیان چل رہا ہے۔ ہمارے خاندانوں میں جو اختلافات اور جھگڑے پھیلے ہوئے ہیں ان کی ایک بہت بڑی وجہ شریعت کے ایک اور حکم کا لحاظ نہ رکھنا ہے۔ شریعت کا وہ حکم یہ ہے کہ "**تعاشروا کالا خوان ۔ تعاملوا کالا جانب**" تم آپس میں تو بھائیوں کی طرح رہو اور ایک دوسرے کے ساتھ بھائیوں جیسا برتاؤ کرو، اخوت اور محبّت کا برتاؤ کرو، لیکن جب لین دین کے معاملات پیش آئیں، اور خرید و فروخت اور کاروباری معاملات آپس میں پیش آئیں تو اس وقت اجنبیوں کی طرح معاملہ کرو، اور معاملہ بالکل صاف ہونا چاہئے، اس میں کوئی اجمال، ابہام اور پیچیدگی نہ ہو، بلکہ جو بات ہو، وہ صاف ہو۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی زبردست تعلیم ہے۔

ملکیت ممتاز ہونی چاہئے

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی کہ مسلمانوں کی ایک ایک بات واضح اور صاف ہونی چاہئے۔ ملکیتیں الگ الگ ہونی

چاہئیں، اور کون سی چیز کس کی ملکیت ہے، یہ واضح ہونا چاہئے۔شریعت کے اس حکم کو ملحوظ نہ رکھنے کی وجہ سے آج ہمارا معاشرہ فسادات اور جھگڑوں سے بھرا ہوا ہے۔

باپ بیٹے کا مشترک کاروبار

مثلاً ایک کاروبار باپ نے شروع کیا، اب بیٹوں نے بھی اس کاروبار میں کام شروع کر دیا، اب یہ متعین نہیں ہے کہ بیٹا جو باپ کے کاروبار میں کام کر رہا ہے، وہ بحیثیت پارٹنر اور شریک کے کام کر رہا ہے، یا ویسے ہی باپ کی مدد کر رہا ہے، یا بیٹا بحیثیت ملازم کے باپ کے ساتھ کام کر رہا ہے اور اس کی تنخواہ مقرر ہے۔ ان میں سے کوئی بات طے نہیں ہوئی اور معاملہ اندھیرے میں ہے۔ اب دن رات باپ بیٹے کاروبار میں لگے ہوئے ہیں، باپ کو جتنے پیسوں کی ضرورت ہوتی ہے، وہ کاروبار میں سے اتنے پیسے نکال لیتا ہے اور جب بیٹے کو ضرورت ہوتی ہے وہ نکال لیتا ہے، اب اسی طرح کام کرتے ہوئے سالہا سال گزر گئے اور رفتہ رفتہ دوسرے بیٹے بھی اس کاروبار میں آکر شامل ہوتے رہے، اب کوئی بیٹا پہلے آیا، کوئی بعد میں آیا، کسی بیٹے نے زیادہ کام کیا اور کسی بیٹے نے کم کام کیا۔

اب حساب کتاب آپس میں کچھ نہیں رکھا، بس جس کو جتنی رقم کی ضرورت ہوتی وہ اتنی رقم کاروبار میں سے نکال لیتا، اور یہ بھی متعین نہیں کیا کہ اس کاروبار کا مالک کون ہے اور کس کی کتنی ملکیت ہے؟ اور نہ یہ معلوم

کہ کاروبار میں کس کا کتنا حصہ ہے؟ نہ یہ معلوم کہ کس کی تنخواہ کتنی ہے؟ اب اگر دوسرا ان سے کہے کہ آپس میں حساب وکتاب رکھو، تو جواب یہ دیا جاتا ہے کہ بھائیوں کے درمیان کیا حساب وکتاب، باپ بیٹے میں کیا حساب وکتاب، یہ تو دوئی کی اور عیب کی بات ہے کہ باپ بیٹے یا بھائی بھائی آپس میں حساب وکتاب کریں، ایک طرف ایسی محبّت کا اظہار ہے۔

بعد میں جھگڑے کھڑے ہوگئے

لیکن جب دس بارہ سال گزر گئے، شادیاں ہوگئیں، بچے ہوگئے، یا باپ جنہوں نے کاروبار شروع کیا تھا، دنیا سے چل بسے، تو اب بھائیوں کے درمیان لڑائی جھگڑے کھڑے ہوگئے اور اب ساری محبّت ختم ہوگئی اور ایک دوسرے پر الزام عائد کرنے شروع کردیئے کہ اس نے زیادہ لے لیا، میں نے کم لیا، فلاں بھائی زیادہ کھاگیا، میں نے کم کھایا، اب یہ جھگڑے ایسے شروع ہوئے کہ ختم ہونے کا نام نہیں لیتے، اور ایسے پیچیدہ ہوگئے کہ اصل حقیقت کا پتہ ہی نہیں چلتا، آخر میں جب معاملہ تناؤ پر آگیا اور ایک دوسرے سے بات چیت کرنے اور شکل و صورت دیکھنے کے بھی روادار نہیں رہے، اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوگئے، تو آخر میں مفتی صاحب کے پاس آگئے کہ اب آپ مسئلہ بتائیں کہ کیا کریں؟ اب مفتی صاحب مصیبت میں پھنس گئے۔ بھائی! جب کاروبار شروع کیا تھا، اس وقت تو ایک دن بھی بیٹھ کر یہ نہیں سوچا کہ تم کس حیثیت میں کاروبار کر رہے

ہو؟ اب جب معاملہ الجھ گیا تو مفتی بیچارہ کیا بتائے کہ کیا کرو۔

معاملات صاف ہوں

یہ سارے جھگڑے اس لئے کھڑے ہوئے کہ شریعت کے اس حکم پر عمل نہیں کیا کہ معاملات صاف ہونے چاہئیں۔ چاہے کاروبار باپ بیٹے کے درمیان ہو یا بھائی بھائی کے درمیان ہو یا شوہر اور بیوی کے درمیان ہو، لیکن ہر ایک کی ملکیت دوسرے سے ممتاز ہونی چاہئے، کس کا کتنا حق ہے؟ وہ معلوم ہونا چاہئے۔ یاد رکھئے! بغیر حساب و کتاب کے جو زندگی گزر رہی ہے، وہ گناہ کی زندگی گزر رہی ہے، اس لئے کہ یہ معلوم ہی نہیں کہ جو کھا رہے ہو وہ اپنا حق کھا رہے ہو یا دوسرے کا حق کھا رہے ہو۔

میراث فوراً تقسیم کردو

شریعت کا حکم یہ ہے کہ جونہی کسی کا انتقال ہو جائے، فوراً اس کی میراث تقسیم کرو، اور شریعت نے جس کا جتنا حق رکھا ہے وہ ادا کرو۔ مجھے یاد ہے کہ جب میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو میرے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تعزیت کے لئے تشریف لائے، ابھی تدفین نہیں ہوئی تھی، جنازہ رکھا ہوا تھا، اس وقت حضرت والاؒ کی طبیعت ناساز تھی، کمزوری تھی، اور ساتھ میں حضرت والد صاحب کی وفات کے صدمے کا بھی طبیعت پر بڑا اثر تھا، حضرت والد صاحب کا خمیرہ رکھا ہوا تھا

ہم وہ خمیرہ حضرت ڈاکٹر صاحب کے پاس لے گئے کہ حضرت تھوڑا سا کھالیں تاکہ کمزوری دور ہو جائے۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خمیرہ ہاتھ میں لینے سے پہلے فرمایا کہ بھائی! اب اس خمیرہ کا کھانا میرے لئے جائز نہیں، کیونکہ یہ خمیرہ اب ورثاء کی ملکیت ہو گیا اور جب تک سارے ورثاء اجازت نہ دیں اس وقت تک میرے لئے اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔ ہم نے عرض کیا کہ حضرت! سارے ورثاء بالغ ہیں اور سب یہاں موجود ہیں، اور سب بخوشی اجازت دے رہے ہیں، لہٰذا آپ تناول فرمالیں، تب جاکر آپ نے وہ خمیرہ تناول فرمایا۔ بہر حال! اللہ تعالیٰ نے میراث تقسیم کرنے کی تاکید فرمائی کہ کسی کے انتقال پر فوراً اس کی میراث وارثین کے درمیان تقسیم کرو تاکہ بعد میں کوئی جھگڑا پیدا نہ ہو۔

میراث جلد تقسیم نہ کرنے کا نتیجہ

لیکن آج ہمارے معاشرے میں جہالت اور نادانی کا نتیجہ یہ ہے کہ اگر کسی کے مرنے پر اس کے وارثین سے یہ کہا جائے کہ بھائی میراث تقسیم کرو، تو جواب میں یہ کہا جاتا ہے کہ توبہ، توبہ، ابھی تو مرنے والے کا کفن بھی میلا نہیں ہوا اور تم نے میراث کی تقسیم کی بات شروع کر دی۔ چنانچہ میراث کی تقسیم کو دنیاوی کام قرار دے کر اس کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اب ایک طرف تو اتنا تقویٰ ہے کہ یہ کہدیا کہ ابھی تو مرنے والے کا کفن بھی

میلا نہیں ہوا، اس لئے مال و دولت کی بات ہی نہ کرو، اور دوسری طرف یہ حال ہے کہ جب میراث تقسیم نہیں ہوئی اور مشترکہ طور پر استعمال کرتے رہے تو سال کے بعد وہی لوگ جو مال و دولت کی تقسیم سے بہت اعراض برت رہے تھے، وہی لوگ اسی مال و دولت کے لئے ایک دوسرے کا خون پینے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں، اور ایک دوسرے پر الزام تراشی کرنے لگتے ہیں کہ فلاں زیادہ کھا گیا، فلاں نے کم کھایا۔

گھر کے سامان میں ملکیتوں کا امتیاز

لہٰذا شریعت نے میراث کی تقسیم کا فوری حکم اس لئے دیا تاکہ ملکیتیں ممتاز ہو جائیں، اور ہر شخص کی ملکیت واضح ہو کہ کونسی چیز کس کی ملکیت ہے۔ آج ہمارے معاشرے کا یہ حال ہے کہ میاں بیوی کو معلوم ہی نہیں ہوتا کہ گھر کا کونسا سامان میاں کا ہے اور کونسا بیوی کا ہے، زیور میاں کا ہے یا بیوی کا ہے، جس گھر میں مقیم ہیں، اس کا مالک کون ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بعد میں جھگڑے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی احتیاط

میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی بات یاد آگئی، آخر زمانے میں وفات سے کچھ عرصہ پہلے بیمار تھے، اور بستر پر تھے، اور اپنے کمرے ہی کے اندر محدود ہو کر رہ گئے تھے، اس کمرے میں ایک چارپائی ہوتی تھی، اسی چار

پائی پر سارے کام انجام دیتے تھے، والد صاحب کے کمرے کے برابر میں میرا ایک چھوٹا سا کمرہ ہوتا تھا، میں اس میں بیٹھا رہتا تھا۔ کھانے کے وقت جب والد صاحب کے لئے ٹرے میں کھانا لایا جاتا، تو آپ کھانا تناول فرماتے اور کھانے کے بعد فرماتے کہ یہ برتن جلدی سے واپس اندر لے جاؤ، یا مدرسہ سے کوئی کتاب یا کوئی چیز منگوائی تو فارغ ہوتے ہی فرماتے کہ اس کو جلدی سے واپس کر دو، یہاں مت رکھو۔ بعض اوقات ہمیں وہ برتن یا کتاب وغیرہ واپس لے جانے میں تاخیر ہو جاتی تو ناراضگی کا اظہار فرماتے کہ دیر کیوں کی، جلدی لے جاؤ۔

ہمارے دل میں بعض اوقات یہ خیال آتا کہ والد صاحب برتن اور کتاب واپس کرنے میں بہت جلدی کرتے ہیں، اگر پانچ سات منٹ تاخیر ہو جائے گی تو کونسی قیامت آجائے گی۔ اس دن یہ عُقدہ کھلا جب آپ نے ایک دن ہم سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میں نے اپنے وصیّت نامے میں یہ بات لکھی ہوئی ہے کہ یہ میرا کمرہ جس میں میری چارپائی ہے، اس کمرے کے اندر جو اشیاء ہیں، صرف یہ اشیاء میری ملکیت ہیں، اور گھر کی باقی سب اشیاء میں اپنی اہلیہ کی ملکیت کر چکا ہوں۔ اب اگر میرا انتقال اس حالت میں ہو جائے کہ میرے کمرے میں باہر کی کوئی چیز پڑی ہوئی ہو تو اس وصیّت نامہ کے مطابق لوگ یہ سمجھیں گے کہ یہ میری ملکیت ہے، اور پھر اس چیز کے ساتھ میری ملکیت جیسا معاملہ کریں گے۔ اس لئے میں یہ چاہتا ہوں کہ میرے اس کمرے میں کوئی باہر کی چیز دیر تک پڑی نہ رہے، جو چیز بھی آئے

وہ جلدی واپس چلی جائے۔

بہر حال! ملکیت واضح کرنے کا اس درجہ اہتمام تھا کہ بیٹوں کی ملکیت سے، بیوی کی ملکیت سے، ملنے جلنے والوں کی ملکیت سے بھی اپنی ملکیت ممتاز تھی، الحمد للہ، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ کبھی کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوا۔

بھائیوں کے درمیان بھی حساب صاف ہو

لہٰذا شریعت نے ہمیں یہ حکم دیا کہ اپنی ملکیت واضح ہونی چاہئے۔ جب یہ مسئلہ ہم اپنے ملنے جلنے والوں کو بتاتے ہیں کہ بھائی! اپنا حساب کتاب صاف کرلو اور بات واضح کرلو، تو جواب میں کہتے ہیں کہ یہ حساب کتاب کرنا دوئی اور غیریت کی بات ہے۔ لیکن چند ہی سالوں کے بعد یہ ہوتا ہے کہ وہی لوگ جو اس وقت اپنائیت کا مظاہرہ کر رہے تھے، ایک دوسرے کے خلاف تلوار لے کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا آپس کے اختلافات اور جھگڑوں کا ایک بہت بڑا سبب ملکیتوں کو صاف نہ رکھنا ہے۔

مکان کی تعمیر اور حساب کی صفائی

یا مثلاً ایک مکان تعمیر ہو رہا ہے، اس ایک مکان میں کچھ پیسے باپ نے لگائے، کچھ پیسے ایک بیٹے نے لگائے، کچھ پیسے دوسرے بیٹے نے لگائے، کچھ پیسے کہیں سے قرض لے لئے، اور اس طرح وہ مکان تعمیر ہو گیا، اس وقت آپس میں کچھ طے نہیں کیا کہ بیٹے اس تعمیر میں جو پیسے لگا رہے ہیں، وہ

قرض کے طور پر لگا رہے ہیں؟ یا باپ کی مدد کر رہے ہیں؟ یا وہ بیٹے اس مکان میں اپنا حصہ لگا کر پارٹنر بننا چاہتے ہیں؟ اس کا کچھ پتہ نہیں، اور پیسے سب کے لگ رہے ہیں، لیکن کوئی بات واضح نہیں ہے۔ جب ان میں سے ایک کا انتقال ہوا تو اب جھگڑا کھڑا ہو گیا کہ یہ مکان کس کا ہے؟ ایک کہتا ہے کہ میں نے اس مکان میں اتنے پیسے لگائے ہیں، دوسرا کہتا ہے کہ میں نے اتنے پیسے لگائے ہیں، تیسرا کہتا ہے کہ زمین تو میں نے خریدی تھی، اور اس جھگڑے کے نتیجے میں ایک فساد برپا ہو گیا۔ اس وقت فیصلے کے لئے مفتی کے پاس پہنچتے ہیں کہ اب آپ بتائیں کہ اس کا کیا حل ہے؟ ایسے وقت میں فیصلہ کرتے وقت بعض اوقات ناانصافی ہو جاتی ہے۔

لہٰذا یہ مسئلہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ شریعت کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر باپ کے کاروبار میں بیٹا کام کر رہا ہے، اور بات واضح ہوئی نہیں کہ وہ بیٹا کس حیثیت میں کام کر رہا ہے؟ آیا وہ باپ کا شریک ہے یا باپ کا ملازم ہے، تو اگر بیٹا ساری عمر بھی اس طرح کام کرتا رہے تو یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے للہ فی اللہ باپ کی مدد کی ہے، کاروبار میں اس کا کچھ حصہ نہیں ہے۔ لہٰذا پہلے سے بات واضح کرنی چاہئے۔

دوسرے کو مکان دینے کا صحیح طریقہ

اور اگر وضاحت کرتے ہوئے تقسیم کا معاملہ کرنا ہے تو تقسیم کرنے کے لئے بھی شریعت نے طریقہ بتایا ہے کہ تقسیم کرنے کا صحیح طریقہ کیا

ہے؟ محض یہ کہہ دینے سے نہیں ہوتا کہ میں نے تو اپنا مکان بیوی کے نام کر دیا تھا، یعنی اس کے نام مکان رجسٹری کرادیا تھا، اب رجسٹری کرادینے سے وہ یہ سمجھے کہ وہ مکان بیوی کے نام ہو گیا، حالانکہ شرعی اعتبار سے کوئی مکان کسی کے نام رجسٹری کرانے سے اس کی طرف منتقل نہیں ہوتا، جب تک اس پر اس کا قبضہ نہ کرادیا جائے، اور اس سے یہ نہ کہا جائے کہ میں نے یہ مکان تمہاری ملکیت کر دیا، اب تم اس کے مالک ہو۔ اس کے بغیر دوسرے کی ملکیت اس پر نہیں آتی۔

تمام مسائل کا حل، شریعت پر عمل

ان سارے مسائل کا آج لوگوں کو علم نہیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ الل ٹپ معاملہ چل رہا ہے اور اس کے نتیجے میں لڑائی جھگڑے ہو رہے ہیں، فتنہ اور فساد پھیل رہا ہے، اور معاشرے میں بگاڑ پیدا ہو رہا ہے، آپس میں مقدمہ بازیاں چل رہی ہیں۔ اگر آج لوگ شریعت پر ٹھیک ٹھیک عمل کر لیں تو آدھے سے زیادہ مقدّمات تو خود بخود ختم ہو جائیں۔

یہ خرابیاں اور جھگڑے تو ان لوگوں کے معاملات میں ہیں جن کی نیت خراب نہیں ہے، وہ لوگ جان بوجھ کر دوسروں کا مال دبانا نہیں چاہتے، البتہ جہالت کی وجہ سے انہوں نے ایسا طریقہ اختیار کیا کہ اس کے نتیجے میں لڑائی جھگڑا کھڑا ہو گیا۔ لیکن جو لوگ بد دیانت ہیں، جن کی نیت ہی خراب ہے، جو دوسروں کا مال ہڑپ کرنا چاہتے ہیں، ان کا تو کچھ ٹھکانا ہی

نہیں۔

خلاصہ

بہر حال! یہ بہت بڑا فساد ہے جو آج ہمارے معاشرے میں پھیلا ہوا ہے۔ اس مسئلے کو خود بھی اچھی طرح سمجھنا چاہئے اور اپنے تمام ملنے جلنے والوں اور اعزہ رشتہ داروں کو یہ مسئلہ بتانا چاہئے کہ ایک مرتبہ حساب صاف کرلیں اور پھر آپس میں محبّت کے ساتھ معاملات کریں، لیکن حساب صاف ہونا چاہئے اور ہر بات واضح ہونی چاہئے، کوئی بات مجمل اور مبہم نہ رہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

❁❁❁

❁

خاندانی اختلافات کا پانچواں سبب

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب ــــ جامع مسجد دار العلوم کراچی

وقت خطاب ــــ بعد عصر تا مغرب

تعداد صفحات ــــ ۱۹

جلد نمبر ــــ ۱۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خاندانی اختلافات کے اسباب

اور ان کا حل

﴿پانچواں حصہ﴾

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِىَ لَهٗ وَأَشْهَدُاَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُاَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَعَلیٰ اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا كَثِیْرًا كَثِیْرًا۔

أَمَّا بَعْدُ!

گزشتہ چند ہفتوں سے خاندانی اختلافات کے مختلف اسباب کا بیان چل رہا ہے، ان اسباب میں سے ایک سبب وہ ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بیان فرمایا ہے، وہ حدیث یہ ہے کہ

نااتفاقی کا ایک اور سبب

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لا تمارِ اخاك ولا تمازحه ولا تعده موعداً فتخلفه۔

(ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی المراء)

اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تین حکم ارشاد فرمائے، پہلا حکم یہ دیا کہ اپنے کسی بھائی سے جھگڑا مت کر۔ دوسرا حکم یہ دیا کہ اس کے ساتھ نامناسب مذاق مت کرو۔ تیسرا حکم یہ دیا کہ اس کے ساتھ کوئی ایسا وعدہ نہ کرو جس کو پورا نہ کر سکو، یعنی وعدہ خلافی نہ کرو۔

اپنے بھائی سے جھگڑا نہ کرو

پہلا حکم یہ دیا کہ:

"لا تمار أخاك"

اپنے بھائی سے جھگڑا نہ کرو۔

یہ ہماری اردو زبان بہت تنگ زبان ہے، جب ہم عربی سے اردو میں ترجمہ کرتے ہیں تو ہمارے پاس بہت محدود الفاظ ہوتے ہیں، اس لئے ہمیں اس تنگ دائرے میں رہ کر ہی ترجمہ کرنا پڑتا ہے، لہٰذا اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ لفظ "لا تمار" ارشاد فرمایا، اس کے ترجمہ کے لئے ہمارے پاس اس کے علاوہ کوئی لفظ نہیں ہے کہ "جھگڑا نہ کرو"۔ لیکن عربی زبان میں یہ لفظ "مِرَاءٌ" سے نکلا ہے، جو اس کا مصدر ہے، اور "مِرَاءٌ" کا لفظ بہت وسیع معنی رکھتا ہے، اس کے اندر "بحث و مباحثہ کرنا" مجادلہ کرنا، جسمانی لڑائی لڑنا، زبانی تو تکار کرنا، یہ سب اس کے مفہوم کے اندر داخل ہیں، لہٰذا چاہے جسمانی جھگڑا ہو، یا زبانی جھگڑا ہو، یا بحث و مباحثہ ہو، یہ تینوں چیزیں مسلمانوں کے درمیان باہمی اتفاق و اتحاد، محبّت اور ملاپ پیدا کرنے میں رکاوٹ بنتی ہیں۔ لہٰذا حتیٰ الامکان اس بات کی کوشش کرو کہ جھگڑا کرنے کی نوبت نہ آئے۔

ضرورةً عدالت سے رجوع کرنا

ہاں! بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ ایک موقع پر انسان یہ محسوس کرتا ہے کہ اس کا حق پامال ہو گیا ہے، اگر وہ عدالت میں اس کے خلاف مقدمہ نہیں کرے گا تو صحیح طور پر زندگی نہیں گزار سکے گا، اس کے ساتھ ناانصافی ہو گی اور اس کے ساتھ ظلم ہو گا، تو اس ظلم اور زیادتی کی وجہ سے مجبوراً اس کو عدالت میں جانا پڑے تو یہ اور بات ہے، ورنہ حتیٰ الامکان جھگڑا چکاؤ، جھگڑے میں پڑنے سے پرہیز کرو۔

بحث و مباحثہ نہ کرو

یہ ہدایت خاص طور پر ان لوگوں کو دی جارہی ہے جو دوسروں کی ہر بات میں کجی نکالتے ہیں، اور دوسروں کی ہر بات کو رد کرنے کی کوشش کرتے ہیں، یہ چیز ان کے مزاج کا ایک حصّہ بن جاتی ہے کہ دوسرے سے ضرور بحث کرنی ہے، ذرا سی بات لے کر بیٹھ گئے، اور اس پر بحث و مباحثہ کا ایک محل تعمیر کر لیا۔ ہمارے معاشرے میں یہ جو فضول بحثوں کا رواج چل پڑا ہے، نہ ان کا دین سے کوئی تعلق، نہ دنیا سے کوئی تعلق، جن کے بارے میں نہ قبر میں سوال ہو گا، نہ حشر میں سوال ہو گا، نہ آخرت میں سوال ہو گا، لیکن ان کے بارے میں لمبی لمبی بحث ہو رہی ہے، یہ سب فضول کام ہے، اس کے نتیجے میں لڑائی جھگڑے ہوتے ہیں اور فرقے بن جاتے ہیں اور

آپس میں منافرت بڑھتی ہے۔

جھگڑے سے علم کا نور چلا جاتا ہے

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ ہے کہ:

المِراء یذھب بنور العلم

یعنی یہ بحث و مباحثہ علم کے نور کو غارت کر دیتا ہے، علم کا نور اس کے ساتھ موجود نہیں رہتا۔ بس جس بات کو تم حق سمجھتے ہو، اس کو حق طریقے سے اور حق نیت سے دوسرے کو بنادو کہ میرے نزدیک یہ حق ہے، اب دوسرا شخص اگر مانتا ہے تو مان لے، نہیں مانتا تو وہ جانے اس کا اللہ جانے، کیونکہ تم داروغہ بناکر اس کے اوپر نہیں بھیجے گئے کہ زبردستی اپنی بات اس سے منواؤ، جتنا تمہاری بس میں ہو اس کو حکمت سے، محبّت سے، نرمی سے سمجھادو، اس سے زیادہ کے تم مکلّف نہیں ہو، تم خدائی داروغہ بناکر نہیں بھیجے گئے کہ لوگوں کی اصلاح تمہارے ذمے فرض ہو، کہ اگر ان کی اصلاح نہیں ہوگی تو تم سے پوچھا جائے گا، ایسا نہیں ہے۔

تمہاری ذمّہ داری بات پہنچادینا ہے

ارے جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمادیا کہ:

مَا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلاَّ الْبَلَاغُ۔

(سورۂ المائدۃ، آیت ۹۹)

رسول پر صرف بات پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے، زبردستی کرنا انبیاءؑ کا کام نہیں، تو تم کیوں زبردستی کرتے ہو، لہٰذا ایک حد تک سوال و جواب کرو، اور جب یہ دیکھو کہ بات بحث و مباحثہ کے حدود میں داخل ہو رہی ہے اور سامنے والا شخص حق کو قبول کرنے والا نہیں ہے تو اس کے بعد خاموش ہو جاؤ اور بحث و مباحثہ کا دروازہ بند کر دو۔

شکوہ و شکایت نہ کریں

بعض لوگوں کو ہر بات میں شکوہ اور شکایت کرنے کی عادت ہوتی ہے، جہاں کسی جاننے والے سے ملاقات ہوئی تو فوراً کوئی شکایت جڑ دیں گے کہ تم نے فلاں وقت یہ کیا تھا، تم نے فلاں وقت یہ نہیں کیا تھا، اور بسا اوقات یہ کام محبّت کے نام پر کیا جاتا ہے، اور یہ جملہ ایسے لوگوں کو بہت یاد ہوتا ہے کہ "شکایت محبّت ہی سے پیدا ہوتی ہے" جس سے محبّت ہوتی ہے اس سے شکوہ بھی ہوتا ہے۔ یہ بات تو درست ہے، لیکن اس شکایت کی بھی ایک حد ہوتی ہے، جب کوئی اہم بات ہوئی تو اس پر شکوہ کرلیا، لیکن ذرا ذرا سی بات لے کر بیٹھ جانا کہ فلاں تقریب میں تم نے فلاں کو دعوت دی اور ہمیں دعوت نہیں دی۔ ارے بھائی! دعوت دینے والے کو شریعت نے یہ حق دیا ہے کہ جس کو چاہے دعوت دے اور جس کو چاہے دعوت نہ دے، تمہارے پاس شکایت کرنے کا کیا جواز ہے کہ تم یہ کہو کہ ہمیں دعوت میں کیوں نہیں بلایا تھا؟ بھائی تمہیں اس لئے نہیں بلایا تھا کہ تمہیں بلانے کا دل

نہیں چاہا، اس وقت تمہیں بلانے کے حالات نہیں تھے، لیکن تم اس شکایت کو لئے بیٹھے ہو۔ آج ہم لوگ ذرا ذرا سی بات پر دوسرے کی شکایت کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں، اس کے نتیجے میں سامنے والے اس سے شکایت کرتے ہیں کہ فلاں موقع پر تم نے بھی ہمیں نہیں بلایا تھا، چنانچہ شکوہ اور جواب شکوہ کا ایک سلسلہ چل پڑتا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دلوں میں محبت پیدا ہونے کے بجائے عداوت پیدا ہو رہی ہے اور آپس میں نفرت پیدا ہو رہی ہے۔

اس کے عمل کی تاویل کرلو

آج میں تجربہ کی بات کہہ رہا ہوں کہ اس کے نتیجے میں گھرانے کے گھرانے اجڑ گئے، ذرا ذرا سی بات لئے بیٹھے ہیں۔ ارے بھائی! اگر کسی سے غلطی ہو گئی ہے تو اس کو معاف کر دو اور اس کو اللہ کے حوالے کر دو۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاف کرنے کی کتنی تلقین فرمائی ہے، لہٰذا اگر تم معاف کر دو گے تو تمہارا کیا بگڑ جائے گا، تمہارا کیا نقصان ہو جائے گا، کونسا پہاڑ تم پر ٹوٹ پڑے گا، کونسی قیامت تم پر آجائے گی؟ لہٰذا چشم پوشی کر جاؤ، اور اس کے عمل کی کوئی تاویل تلاش کرلو کہ شاید اس وجہ سے دعوت نہیں دی ہو گی وغیرہ۔

حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا طرز عمل

میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ تھے حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ، جو دارالعلوم دیوبند کے مفتی اعظم تھے۔ جن کے فتاویٰ کا مجموعہ "فتاویٰ دارالعلوم دیوبند" کے نام سے دس جلدوں میں چھپ گیا ہے، جس میں علوم کے دریا بہا دیئے، یہ عجیب و غریب بزرگ تھے۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ان کو ہمیشہ اس طرح دیکھا کہ کبھی کسی آدمی کی منہ پر تردید نہیں کرتے تھے کہ تم نے یہ بات غلط کہی، بلکہ اگر کسی نے غلط بات بھی کہدی تو آپ سن کر فرماتے کہ اچھا گویا کہ آپ کا مطلب یہ ہوگا، اس طرح اس کی تاویل کر کے اس کا صحیح مطلب اس کے سامنے بیان کر دیتے۔ اس کے ذریعے اس کو تنبیہ بھی فرما دیتے کہ تم نے جو بات کہی ہے وہ صحیح نہیں ہے، لیکن اگر یہ بات اس طرح کہی جائے تو صحیح ہو جائے گی۔ ساری عمر کبھی کسی کے منہ پر تردید نہیں فرمائی۔

اپنا دل صاف کرلو

اس لئے اگر تمہارا کوئی مسلمان بھائی ہے، دوست ہے، یا عزیز و قریب ہے، یا رشتہ دار ہے، اگر اس سے کوئی غلط معاملہ سرزد ہوا ہے تو تم بھی اس کی کوئی تاویل تلاش کرلو کہ شاید فلاں مجبوری پیدا ہو گئی ہوگی،

تاویل کر کے اپنا دل صاف کرلو۔ اور اگر شکایت کرنی ہی ہے تو نرم لفظوں میں اس سے شکایت کرلو کہ فلاں وقت تمہاری بات مجھے ناگوار گزری، اگر کوئی وضاحت پیش کرے تو اس کو قبول کرلو، یہ نہ کرو کہ اس شکایت کو لے کر بیٹھ جاؤ اور اس کی بنیاد پر جھگڑا کھڑا کردو۔ اسی لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ **"لاتمار اخاك"** اپنے بھائی سے جھگڑا نہ کرو۔

یہ دنیا چند روزہ ہے

میاں! یہ دنیا کتنے دن کی ہے، چند دن کی دنیا ہے، کتنے دن کی گارنٹی لے کر آئے کہ اتنے دن زندہ رہو گے، اور عام طور پر شکایتیں دنیا کی باتوں پر ہوتی ہیں کہ فلاں نے مجھے دعوت میں نہیں بلایا، فلاں نے میری عزت نہیں کی، فلاں نے میرا احترام نہیں کیا، یہ سب دنیا کی باتیں ہیں۔ یہ دنیا کا مال و دولت، دنیا کا اسباب، دنیا کی وجاہت، دنیا کی شہرت، دنیا کا منصب، ان سب کی کوئی حقیقت نہیں ہے، نہ جانے کب فنا ہو جائیں، کب یہ چیزیں چھن جائیں۔ اس کے بجائے وہاں کے بارے میں سوچو جہاں ہمیشہ رہنا ہے، جہاں ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی گزارنی ہے، وہاں کیا حال ہوگا؟ وہاں کس طرح زندگی بسر کرو گے؟ وہاں پر اللہ تعالیٰ کے سامنے کیا جواب دو گے؟ اس کی فکر کرو۔ حدیث شریف میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اعمل لدنياك بقدر بقائك فيها

واعمل لآخرتك بقدر بقائك فيها

یعنی دنیا کے لئے اتنا کام کرو جتنا دنیا میں رہنا ہے اور
آخرت کے لئے اتنا کام کرو جتنا آخرت میں رہنا ہے۔

یاد رکھئے! یہ مال و دولت، یہ شہرت، یہ عزت، سب آنی جانی چیزیں ہیں، آج ہیں کل نہیں رہیں گی۔

کل کیا تھے؟ آج کیا ہو گئے

وہ لوگ جن کا دنیا میں ڈنکا بج رہا تھا، جن کا طوطی بول رہا تھا، جن کا اقتدار تھا، جن کے نام سے لوگ لرزتے تھے، آج جیل خانوں میں پڑے سڑ رہے ہیں، اور جن لوگوں کے ناموں کے ساتھ عزت و شرف کے القاب لگائے جاتے تھے، آج ان پر جرائم کی فہرستوں کے انبار لگے ہوئے ہیں کہ انہوں نے چوری کی، انہوں نے ڈاکہ ڈالا، انہوں نے رشوت لی، انہوں نے خیانت کی۔ ارے! کس عزت پر، کس شہرت پر، کس پیسے پر لڑتے ہو، نہ جانے کس دن اور کس وقت اللہ تعالیٰ یہ چیزیں تم سے چھین لے، ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر تم نے جھگڑے کھڑے کئے ہوئے ہیں، ان باتوں پر تم نے خاندان اجاڑے ہوئے ہیں۔ اسی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لاتمار اخاك

اپنے بھائی سے جھگڑا مت کرو۔

کونسا مذاق جائز ہے؟

اس حدیث میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرا حکم یہ دیا کہ:

وَلَا تُمَازِحْهُ

اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ دل لگی اور مذاق نہ کرو۔

اس حدیث میں "مذاق" سے مراد وہ مذاق ہے جو دوسرے کی گرانی کا سبب ہو، اگر ایسا مذاق ہے جو حدود شریعت کے اندر ہے اور خوش طبعی کے لئے کیا جارہا ہے، سننے والے کو بھی اس سے کوئی گرانی نہیں ہے تو ایسے مذاق میں کوئی مضائقہ نہیں، بلکہ اگر وہ مذاق حق ہے اور اس مذاق میں دوسرے کو خوش کرنے کی نیت ہے تو اس پر ثواب بھی ملے گا۔

مذاق اڑانا اور دل لگی کرنا جائز نہیں

ایک ہوتا ہے مذاق کرنا، ایک ہوتا ہے مذاق اڑانا، مذاق کرنا تو درست ہے، لیکن کسی کا مذاق اڑانا کہ اس کے ذریعہ اس کا استہزاء کیا جائے اور اس کے ساتھ ایسا مذاق اور ایسی دل لگی کی جائے جو اس کے لئے ناگوار ہو اور اس کی دل شکنی کا سبب ہو، ایسا مذاق حرام اور ناجائز ہے۔ بعض لوگ دوسرے کی چڑ بنالیتے ہیں، اور یہ سوچتے ہیں کہ جب اس کے سامنے یہ بات کریں گے تو وہ غصہ ہوگا اور اس کے نتیجے میں ہم ذرا مزہ لیں گے، یہ وہ

مذاق ہے جس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم منع فرما رہے ہیں۔ اتنا مذاق کرو جس کو دوسرا آدمی برداشت کر سکے، اب آپ نے دوسرے کے ساتھ اتنا مذاق کیا کہ اس کے نتیجے میں اس کو زچ کر دیا، اب وہ اپنے دل میں تنگی محسوس کر رہا ہے، تو یاد رکھئے! اگرچہ اس مذاق کے نتیجے میں دنیا میں تمہیں تھوڑا بہت مزہ آ رہا ہے، لیکن آخرت میں اس کا عذاب بڑا شدید ہے، العیاذ باللہ۔ کیونکہ اس کے ذریعہ تم نے ایک مسلمان کا دل دکھایا اور مسلمان کا دل دکھانا بڑا سخت گناہ ہے۔

انسان کی عزت "بیت اللہ" سے زیادہ

ابن ماجہ میں ایک حدیث ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ شریف کا طواف فرما رہے تھے، طواف کرتے ہوئے آپ ﷺ نے بیت اللہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

> اے بیت اللہ! تو کتنا عظیم ہے، تیری قدر و منزلت کتنی عظیم ہے کہ اس روئے زمین پر اللہ تعالیٰ نے تجھے اپنا گھر قرار دیا، تیری حرمت کتنی عظیم ہے۔ لیکن اے بیت اللہ! ایک چیز ایسی ہے جس کی حرمت تیری حرمت سے بھی زیادہ ہے، وہ ہے مسلمان کی جان، اس کا مال، اس کی آبرو۔

اگر کوئی شخص ایسا سنگدل اور شقی القلب ہو کہ وہ بیت اللہ کو ڈھا

دے، العیاذ باللہ، تو ساری دنیا اس کو برا کہے گی کہ اس نے اللہ کے گھر کی کتنی بے حرمتی کی ہے، مگر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ اگر کسی نے کسی مسلمان کی جان، مال، آبرو پر حملہ کر دیا، یا اس کا دل دکھادیا تو بیت اللہ کو ڈھانے سے زیادہ سنگین گناہ ہے۔ لیکن تم نے اس کو معمولی سمجھا ہوا ہے اور تم دوسرے کا مذاق اڑا رہے ہو، اور اس کی وجہ سے اس کا دل دکھارہے ہو اور تم مزے لے رہے ہو؟ ارے یہ تم بیت اللہ کو ڈھارہے ہو، اس کی حرمت کو پامال کر رہے ہو۔ لہٰذا کسی کو مذاق کا نشانہ بنالینا اور اس کا استہزاء کرنا حرام ہے۔

ایسا مذاق دل میں نفرت پیدا کرتا ہے

اور یہ مذاق بھی ان چیزوں میں سے ہے جو دلوں کے اندر گرہیں ڈالنے والی ہیں اور دلوں کے اندر عداوتیں اور نفرتیں پیدا کر دیتی ہیں۔ اگر دوسرا تمہارے بارے میں یہ محسوس کرے کہ یہ میرا مذاق اڑاتا ہے، میری توہین کرتا ہے، تو بتاؤ کیا کبھی اس کے دل میں تمہاری محبّت پیدا ہوگی؟ کبھی بھی محبّت پیدا نہیں ہوگی، بلکہ اس کے دل میں تمہاری طرف سے نفرت پیدا ہوگی کہ یہ آدمی میرے ساتھ ایسا برتاؤ کرتا ہے اور پھر اس نفرت کے نتیجے میں آپس میں جھگڑا اور فساد پھیلے گا۔ البتہ اگر دوست و احباب یا عزیز و اقارب آپس میں ایسا مذاق کر رہے ہیں جس میں کسی کی دل آزاری نہیں ہے، جس میں جھوٹ نہیں ہے، تو شرعاً ایسے مذاق کی اجازت ہے، شریعت

نے ایسے مذاق پر پابندی نہیں لگائی۔

وعدد کو پورا کرو

اس حدیث میں تیسرا حکم یہ دیا کہ:

ولا تعده موعداً فتخلفه۔

یعنی کوئی ایسا وعدہ نہ کرو جس کو تم پورا نہ کر سکو۔

بلکہ جس سے جو وعدہ کیا ہے اس وعدہ کو پورا کرو، اس وعدہ کا ایفاء کرو، وعدہ کر کے پورا نہ کرنے کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نِفاق کی علامت قرار دی۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ثلاث من کن فیه فهو منافق اذا حدث کذب واذا وعد اخلف، واذا أوتمن خان

(نسائی، کتاب الایمان، باب علامۃ المنافق)

منافق کی تین علامتیں

تین باتیں جس شخص میں پائی جائیں، وہ خالص منافق ہے، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو وعدہ کی خلاف ورزی کرے، اور جب اس کے پاس امانت رکھوائی جائے تو وہ اس امانت میں خیانت کرے۔ یہ تین باتیں جس شخص میں پائی جائیں، وہ پکا منافق ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ

وعدہ کی خلاف ورزی نفاق کی علامت ہے، لہٰذا اگر تمہیں بھروسہ نہ ہو کہ میں وعدہ پورا کر سکونگا، تو وعدہ مت کرو، لیکن جب ایک مرتبہ وعدہ کرلو تو جب تک کوئی عذر شدید پیش نہ آجائے، اس وقت تک اس کی پابندی لازم ہے۔

بچوں سے کیا ہوا وعدہ پورا کرو

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک فرمایا کہ بچوں سے بھی جو وعدہ کرو اس کو پورا کرو۔ روایت میں آتا ہے کہ ایک صحابی نے ایک بچے کو بلاتے ہوئے کہا کہ میرے پاس آؤ، ہم تمہیں چیز دیں گے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ کیا تمہارا واقعی اس کو کچھ دینے کا ارادہ تھا یا ویسے ہی اس کو بہلانے کے لئے کہدیا، ان صحابی نے فرمایا کہ یارسول اللہ ﷺ! میرے پاس کھجور ہے، وہ دینے کا ارادہ تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم ویسے ہی وعدہ کر لیتے اور کچھ دینے کا ارادہ نہ ہوتا تو تمہیں اس بچے کے ساتھ وعدہ خلافی کرنے کا گناہ ہوتا۔ اور بچے کے ساتھ وعدہ خلافی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ تم نے بچے کو شروع سے یہ تعلیم دیدی کہ وعدہ خلافی کرنا کوئی بری بات نہیں ہے، اور تم نے پہلے دن سے ہی اس کی تربیت خراب کر دی۔ لہٰذا بچوں کے ساتھ وعدہ خلافی نہیں کرنی چاہئے، بچوں کے ساتھ بھی جو وعدہ کیا ہے، اس کو پورا کرو۔

اور بعض وعدہ خلافیاں تو ایسی ہوتی ہیں کہ آدمی یہ سمجھتا ہے کہ میں

نے فلاں کے ساتھ وعدہ کیا ہوا ہے، مجھے اس کی خلاف ورزی نہیں کرنی چاہئے۔ لیکن بعض وعدہ خلافیاں ایسی ہوتی ہیں جن کی طرف ہم لوگوں کا دھیان ہی نہیں جاتا کہ وہ بھی کوئی وعدہ خلافی ہے۔

اصول اور ضوابط کی پابندی نہ کرنا وعدہ خلافی ہے

مثلاً ہر ادارے کے اپنے کچھ قواعد و ضوابط ہوتے ہیں، چنانچہ جب ہم کسی ادارے میں ملازمت اختیار کرتے ہیں تو اس ادارے کے ساتھ منسلک ہوتے وقت ہم عملاً یہ وعدہ کرتے ہیں کہ اس ادارے کے قواعد و ضوابط کی پابندی کریں گے۔ یا مثلاً آپ نے پڑھنے کے لئے دارالعلوم میں داخلہ لے لیا، تو داخلہ لیتے وقت طالب علم سے ایک تحریری وعدہ بھی لیا جاتا ہے کہ میں یہ یہ کام نہیں کروں گا اور یہ یہ کام کروں گا اور اگر کسی طالب علم سے تحریری وعدہ نہ بھی لیا جائے تب بھی داخل ہونے کے معنی ہی یہ ہیں کہ وہ یہ اقرار کر رہا ہے کہ دارالعلوم کے جو قواعد و ضوابط ہیں میں ان کی پابندی کرونگا اب اگر کوئی طالب علم ان قواعد وضوابط کی خلاف ورزی کرے گا تو یہ اس وعدہ کی خلاف ورزی ہوگی اور یہ عمل ناجائز اور گناہ ہوگا۔

جو قوانین شریعت کے خلاف نہ ہوں انکی پابندی لازم ہے

اسی طرح جو آدمی کسی ملک کی شہریت اختیار کرتا ہے تو وہ شخص عملاً

اس ملک کے ساتھ یہ معاہدہ کرتا ہے کہ میں اس ملک کے قوانین کی پابندی کروں گا تاوقتیکہ کوئی قانون مجھے کسی خلاف شرع امر پر مجبور نہ کرے۔ اگر کوئی قانون ایسا ہے جو شریعت کے خلاف کام کرنے پر مجبور کرتا ہے تو اس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ:

لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق

یعنی خالق کی معصیت میں مخلوق کی اطاعت نہیں ہے۔

اگر کسی کام سے شریعت تمہیں روک دے تو پھر اس کام کے کرنے کو خواہ کوئی بادشاہ کہے، یا کوئی صدر یا وزیر اعظم کہے، یا کوئی قانون اس کام کا حکم دے، لیکن تم اس حکم کے ماننے کے پابند نہیں ہو، بلکہ تم اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے کے پابند ہو۔

قوانین کی خلاف ورزی وعدہ خلافی ہے

لہٰذا اگر کوئی آپ کو گناہ پر مجبور نہیں کر رہا ہے، بلکہ مباحات سے متعلق کوئی قانون بنا ہوا ہے تو اس صورت میں ہر شہری چاہے وہ مسلمان ہو، یا غیر مسلم ہو، اپنی حکومت سے یہ معاہدہ کرتا ہے کہ میں قوانین کی پابندی کروں گا، اب اگر کوئی شخص بلا عذر قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے تو یہ بھی وعدہ خلافی میں داخل ہے۔

ٹریفک کے قوانین کی پابندی کریں

مثلاً ٹریفک کے قوانین ہیں کہ جب سرخ بتی جلے تو رک جاؤ اور جب سبز بتی جلے تو چل پڑو۔ اس قانون کی پابندی شرعاً بھی ضروری ہے، اس لئے کہ تم نے وعدہ کیا ہوا ہے کہ میں اس ملک کے قوانین کی پابندی کروں گا۔ اگر تم اس قانون کو روندتے ہوئے گزر جاتے ہو تو اس صورت میں وعدہ خلافی کے گناہ کے مرتکب ہوتے ہو اور عہد شکنی کے گناہ کے مرتکب ہوتے ہو، چاہے وہ مسلم ملک ہو یا غیر مسلم ملک ہو۔

بے روزگاری الاؤنس وصول کرنا

برطانیہ کی حکومت ایک بیروزگاری الاؤنس جاری کرتی ہے، یعنی جو لوگ بیروزگار ہوتے ہیں ان کو ایک الاؤنس دیا جاتا ہے، گویا کہ روزگار ملنے تک حکومت ان کی کفالت کرتی ہے۔ یہ ایک اچھا طریقہ ہے۔ لیکن ہمارے بعض بھائی جو یہاں سے وہاں گئے ہیں، انہوں نے اس بیروزگاری کو اپنا پیشہ بنا رکھا ہے، اب ایسے لوگ رات کو چوری چھپے نوکری کر لیتے ہیں اور ساتھ میں بیروزگاری الاؤنس بھی وصول کرتے ہیں، اچھے خاصے نمازی اور دیندار لوگ یہ دھندا کر رہے ہیں۔ ایک مرتبہ ایک صاحب نے مجھ سے اس کے بارے میں مسئلہ پوچھا تو میں نے بتایا کہ یہ عمل تو بالکل ناجائز اور گناہ ہے، اوّل تو یہ جھوٹ ہے کہ بیروزگار نہیں ہو لیکن اپنے کو بیروزگار ظاہر کر

رہے ہو، دوسرے یہ کہ تم حکومت کے قانون کی خلاف ورزی کر رہے ہو، کیونکہ جب تم اس ملک میں داخل ہوگئے تو اب اس ملک کے جائز قانون کی پابندی لازم ہے۔ ان صاحب نے جواب میں کہا کہ یہ تو غیر مسلم حکومت ہے اور غیر مسلم حکومت کا پیسہ جس طرح بھی حاصل ہو، اس کو لے کر خرچ کرنا جائز ہے۔ العیاذ باللہ۔ ارے بھائی! جب تم اس ملک میں داخل ہوئے تھے اس وقت تم نے یہ وعدہ کیا تھا کہ ہم اس ملک کے قوانین کی پابندی کریں گے، لہٰذا اب اس ملک کے قانون کی خلاف ورزی کرنا جائز نہیں، اور جس طرح مسلمان کے ساتھ خلاف ورزی جائز نہیں، کافروں کے ساتھ بھی وعدہ خلافی جائز نہیں، اور اس خلاف ورزی کے نتیجے میں جو پیسہ حاصل ہوگا وہ بھی ناجائز اور حرام ہوگا۔

خلاصہ

بہرحال جھگڑے کا ایک بہت بڑا سبب یہ وعدہ خلافی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان احکام پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

خاندانی اختلافات کا چھٹا سبب

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱- لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب ــــ جامع مسجد دار العلوم کراچی

وقت خطاب ــــ بعد عصر تا مغرب

تعداد صفحات ــــ ۱۹

جلد نمبر ــــ ۱۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خاندانی اختلافات کے اسباب

اور ان کا حل

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ وَأَشْهَدُاَنْ لَّا إِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُاَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّى

اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَعَلیٰ اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔

أَمَّا بَعْدُ!

گزشتہ چند ہفتوں سے خاندانی اختلافات کے مختلف اسباب کا بیان چل رہا ہے، ان اسباب میں سے ایک سبب وہ ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بیان فرمایا ہے، وہ حدیث یہ ہے کہ:

یہ بڑی خیانت ہے

حضرت سفیان بن اُسید حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

كَبُرَتْ خِيَانَةً اَنْ تُحَدِّثَ أَخَاكَ حَدِيْثاً هُوَ لَكَ بِهٖ مُصَدِّقٌ وَأَنْتَ لَهٗ بِهٖ كَاذِبٌ۔

(ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی المعاریض)

یہ بڑی ہی خیانت کی بات ہے کہ تم اپنے بھائی کو کوئی ایسی بات سناؤ جس کو وہ سمجھ رہا ہو کہ تم اس کو سچی بات بتارہے ہو لیکن حقیقت میں تم اس کے سامنے جھوٹ بول رہے ہو۔ یہ وہ عمل ہے جس سے دلوں میں دراڑیں پڑ جاتی ہیں، دلوں میں شگاف پڑ جاتے ہیں، اور عداوتیں کھڑی ہو جاتی ہیں، دشمنیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ جھوٹ بولنا تو ہر حال میں بڑا زبردست گناہ ہے،

لیکن اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خاص طور پر اس جھوٹ کو بیان فرمارہے ہیں جہاں تمہارا مخاطب تم پر اعتماد کر رہا ہے، اور وہ یہ سمجھ رہا ہے کہ یہ شخص جو بات مجھ سے کہے گا وہ سیدھی اور سچی بات کہے گا، لیکن تم الٹا اس کے اعتماد کو مجروح کرتے ہوئے اس کے ساتھ جھوٹ بولو۔ تو اس عمل میں جھوٹ کا گناہ تو ہے ہی، ساتھ ہی اس میں خیانت کا بھی گناہ ہے۔

وہ امانت دار ہے

اس لئے کہ جو شخص تم سے رجوع کر رہا ہے، وہ تمہیں امین اور سچا سمجھ کر رجوع کر رہا ہے، حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

المستشار مؤتمن۔

جس شخص سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امانت دار ہوتا ہے۔

گویا کہ مشورہ طلب کرنے والا اس کے پاس امانت رکھوائے ہوئے ہے کہ تم صحیح بات مجھے بتانا، اور اس پر اعتماد اور بھروسہ بھی کر رہا ہے، لیکن تم نے اس کے ساتھ جھوٹ بولا اور غلط بات بتائی، لہٰذا تم خیانت کے گناہ کے بھی مرتکب ہوئے۔

جھوٹا میڈیکل سرٹیفکیٹ

آج ہمارے معاشرے میں جتنی تصدیقات اور سرٹیفکیٹ جاری ہوتے ہیں، وہ سب اس حدیث کے تحت آتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص بیمار ہے اور اس کو اپنے محکمے سے چھٹی لینے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اس بات کا میڈیکل سرٹیفکیٹ پیش کرے کہ وہ واقعۃً بیمار ہے۔ تو اب جس ڈاکٹر سے سرٹیفکیٹ طلب کیا جائیگا، وہ امانت دار ہے کیونکہ وہ محکمہ اس ڈاکٹر پر بھروسہ اور اعتماد کر رہا ہے کہ یہ جو سرٹیفکیٹ جاری کرے گا، وہ سچا سرٹیفکیٹ جاری کرے گا، وہ شخص واقعی بیمار ہوگا تب ہی وہ سرٹیفکیٹ جاری کرے گا ورنہ جاری نہیں کرے گا۔ اب اگر وہ ڈاکٹر پیسے لے کر یا پیسے لئے بغیر صرف دوستی کی مد میں اس خیال سے کہ اس سرٹیفکیٹ کے ذریعہ اس کو چھٹی مل جائے، جھوٹا سرٹیفکیٹ جاری کر دے گا تو یہ ڈاکٹر جھوٹ کے گناہ کے ساتھ بڑی خیانت کا بھی مرتکب ہوگا۔ اور جو شخص ایسا سرٹیفکیٹ حاصل کرنے کے لئے ڈاکٹر کو مجبور کرے کہ وہ ایسا جھوٹا سرٹیفکیٹ جاری کر دے، ایسا شخص بیشمار گناہوں کا ارتکاب کر رہا ہے، ایک یہ کہ خود جھوٹ بول رہا ہے اور دوسرے ڈاکٹر کو جھوٹ بولنے پر مجبور کر رہا ہے اور اگر پیسے دے کر یہ سرٹیفکیٹ حاصل کر رہا ہے تو رشوت دینے کے گناہ کا مرتکب ہو رہا ہے، اور پھر جھوٹ بول کر جو چھٹی لے رہا ہے، وہ چھٹی بھی حرام ہے اور اس چھٹی کی جو تنخواہ لی ہے وہ تنخواہ بھی حرام ہے، اور اس

تنخواہ سے جو کھانا کھایا وہ بھی حرام ہے، لہٰذا ایک جھوٹا میڈیکل سر ٹیفکیٹ جاری کرانے میں اتنے بیشمار گناہ جمع ہیں۔ العیاذ باللہ العظیم۔

آج ہمارا معاشرہ ان چیزوں سے بھرا ہوا ہے، اچھے خاصے پڑھے لکھے، دیندار، نمازی، متشرع لوگوں کو بھی جب ضرورت پڑتی ہے تو وہ بھی جھوٹا سر ٹیفکیٹ نکلوانے میں کوئی شرم اور عار محسوس نہیں کرتے، اور اس چیز کو دین سے خارج ہی کر دیا ہے۔

مدارس کی تصدیق کرنا

اسی طرح مدرسوں کی تصدیق ہے، بہت سے مدارس کے حضرات میرے پاس بھی آتے ہیں کہ آپ ہمارے مدرسے کی تصدیق کر دیجئے کہ یہ مدرسہ قائم ہے اور ٹھیک کام کر رہا ہے، اگر اس میں چندہ دیا جائے گا تو وہ چندہ صحیح مصرف میں استعمال ہوگا۔ یہ تصدیق ایک گواہی ہے، اب اگر کسی شخص نے یہ کہا کہ فلاں سے تصدیق کرا کر لاؤ، تب ہم تمہیں چندہ دیں گے، گویا کہ اس نے مجھ پر بھروسہ کیا، اب میرا یہ فرض ہے کہ میں اس وقت تک تصدیق جاری نہ کروں جب تک مجھے واقعۃً اس بات کا یقین نہ ہو کہ واقعۃً یہ مدرسہ اس چندہ کا مستحق ہے۔ اگر ایک شخص میرے پاس آئے اور میں محض دوستی یا مروّت میں آکر تصدیق کر دوں، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ لوگ تو میرے اوپر بھروسہ کر رہے ہیں اور میں ان کے ساتھ جھوٹ بول رہا ہوں، کیونکہ میں نے اس مدرسہ کو دیکھا نہیں، میں اس کے حالات

سے واقف نہیں، اس کے طریقہ کار سے میں باخبر نہیں، لیکن اس کے باوجود میں نے تصدیق نامہ جاری کر دیا، تو میں اس بدترین خیانت کا مرتکب ہوں گا۔ اب مدرسہ کے حضرات تصدیق کے لئے میرے پاس آتے ہیں، جب میں ان سے معذرت کرتا ہوں تو کہتے ہیں کہ ان سے اتنا چھوٹا سا کام نہیں کیا جاتا، وہ سمجھتے ہیں کہ انکار کرنا مروّت کے خلاف ہے، حالانکہ حقیقت میں یہ شہادت ہے، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بدترین خیانت ہے کہ لوگ تم پر بھروسہ کر کے تمہیں سچا سمجھ رہے ہیں اور تم ان کے سامنے جھوٹ بول رہے ہو۔

جھوٹا کیرکٹر سرٹیفکیٹ

آج کل مورل سرٹیفکیٹ اور کیرکٹر سرٹیفکیٹ بنوائے جاتے ہیں، اور سرٹیفکیٹ جاری کرنے والا اس میں لکھتا ہے کہ میں اس شخص کو پانچ سال سے جانتا ہوں یا دس سال سے جانتا ہوں، حالانکہ وہ اس کو صرف دو دن سے جانتا ہے، میں اس کے حالات سے واقف ہوں، یہ بہت اچھے اخلاق اور کردار کا مالک ہے۔ اب سرٹیفکیٹ جاری کرنے والا یہ سمجھ رہا ہے کہ میں اس شخص کے ساتھ بھلائی کر رہا ہوں، لیکن اس کو یہ معلوم نہیں کہ اس بھلائی کے نتیجے میں قیامت کے روز گردن پکڑی جائے گی کہ تم نے تو یہ لکھا تھا کہ میں اس کو پانچ سال سے یا دس سال سے جانتا ہوں، حالانکہ تم اس کو نہیں جانتے تھے۔ یہ بدترین خیانت کے اندر داخل ہے، کیونکہ لوگ تم پر

بھروسہ کر رہے ہیں اور تم لوگوں کے ساتھ جھوٹ بول رہے ہو۔

آج سرٹیفکیٹ کی کوئی قیمت نہیں

آج معاشرہ ان باتوں سے بھر گیا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج سرٹیفکیٹ کی بھی کوئی قیمت نہیں رہی، کیونکہ لوگ جانتے ہیں کہ یہ سب جھوٹے اور مصنوعی سرٹیفکیٹ ہیں۔ آج ہم نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کو زندگی سے خارج ہی کر دیا ہے، اور صرف نماز روزے اور تسبیح کا نام دین رکھدیا ہے، لیکن دنیا کی زندگی میں ہم لوگوں کے ساتھ کس طرح پیش آرہے ہیں، اس طرف دھیان ہی نہیں ہے۔

یہ بھی اختلافات کا سبب ہے

یہ چیز بھی ہمارے آپس کے اختلافات اور جھگڑوں کے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔ اس لئے کہ جب تم ایک آدمی پر بھروسہ اور اعتماد کر رہے ہو کہ یہ شخص تمہیں سچ بات بتائے گا، لیکن وہ شخص تم سے جھوٹ بولے، تو اس جھوٹ کے نتیجے میں اس کے دل میں تمہارے خلاف گرہ پڑ جائے گی کہ میں نے تو اس پر بھروسہ کیا، لیکن اس نے میرے ساتھ جھوٹ بولا، مجھے دھوکہ دیا اور مجھے غلط راستہ دکھایا۔ لہٰذا اس کے دل میں تمہارے خلاف عداوت پیدا ہو گی۔

بہر حال! باہمی اختلافات اور نااتفاقی کا ایک بہت بڑا سبب "جھوٹ"

ہے، اگر اس جھوٹ کو ختم نہیں کرو گے تو آپس کی ناچاقیاں اور اختلافات کیسے ختم ہوں گے؟ اس لئے اس جھوٹ کو ختم کرو۔ ویسے تو ہر جھوٹ حرام ہے، لیکن خاص طور پر وہ جھوٹ جہاں پر دوسرا شخص تم پر بھروسہ کر رہا ہو اور تم اس کے ساتھ جھوٹ بولو، یہ بڑا خطرناک جھوٹ ہے۔

گزشتہ کی تلافی کیسے کریں؟

اب ایک سوال ذہنوں میں یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے آپس کے اختلافات اور نااتفاقی کے جو اسباب بیان فرمائے ہیں، اگر ہم آج ان سے پرہیز کرنے کا ارادہ کرلیں اور محنت کر کے اپنے آپ کو اس کا پابند بنالیں تو انشاء اللہ آئندہ کی زندگی تو درست ہو جائیگی، لیکن گزشتہ زمانہ میں اب تک ہم سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ان تعلیمات کی خلاف ورزی ہوئی، مثلاً کسی کی غیبت کرلی، کسی کو برا کہا، کسی کو دکھ پہنچایا، کسی کو تکلیف پہنچائی، کسی کی دل آزاری کی، اور ان خلاف ورزیوں کے نتیجہ میں اور حقوق العباد کو ضائع کرنے کے نتیجے میں ہمارا نامہ اعمال سیاہ ہوگیا ہے، اس کا کیا حل ہے؟ اگر ہم اپنی پچھلی زندگی کی طرف نظر دوڑائیں تو یہ نظر آئے گا کہ سالہا سال میں نہ جانے کتنے انسانوں سے رابطہ ہوا، کتنے انسانوں سے تعلقات ہوئے، ہم نے کس کی کتنی حق تلفی کی؟ اس کا ہمارے پاس نہ کوئی حساب ہے، نہ پیمانہ ہے، اور نہ ان سے معافی مانگنے کی کوئی صورت ہے۔ لہٰذا اگر ہم آج سے اپنی اصلاح شروع کر بھی دیں تو

پچھلے معاملات کا اور پچھلی زندگی کا کیا بنے گا؟ اور پچھلا حساب کتاب صاف کرنے کا کیا راستہ ہے؟ یہ بڑا اہم سوال ہے اور ہم سب کو اس کی فکر کرنے کی ضرورت ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معافی مانگنا

لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان جایئے کہ آپ نے ہماری ہر مشکل کا حل اپنے اسوۂ حسنہ میں تجویز فرمادیا ہے۔ جو آدمی اپنی پچھلی زندگی کی اصلاح کرنا چاہتا ہو، اور اس کو خیال ہو کہ میں نے بہت سے اللہ کے بندوں کے حقوق ضائع کر دیئے ہیں، تو اس کا راستہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا اور خود اس پر اس طرح عمل کر کے دکھایا کہ ایک دن آپ نے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کھڑے ہو کر عام صحابہ کے مجمع کے سامنے فرمایا کہ:

> میری ذات سے کبھی کسی انسان کو کوئی تکلیف پہنچی ہو، یا کبھی مجھ سے کوئی زیادتی ہوئی ہو، تو میں آج اپنے آپ کو اس کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ اگر وہ اس زیادتی کا بدلہ لینا چاہتا ہے تو میں بدلہ دینے کو تیار ہوں، اور اگر وہ مجھ سے کوئی صلہ طلب کرنا چاہتا ہے تو میں وہ دینے کے لئے تیار ہوں، اور اگر وہ معاف کرنا چاہتا ہے تو میری درخواست ہے کہ وہ

معاف کر دے۔

حضور ﷺ کا اعلیٰ مقام

یہ اعلان اس ذات نے فرمایا جن کے بارے میں قرآن کریم نے فرما دیا کہ:

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ۔

(سورۂ فتح، آیت ۲)

تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرمادے۔

اور جن کے بارے میں یہ فرمادیا:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْماً ○

(سورۃ النسآء، آیت ٦٥)

یعنی پروردگار کی قسم! لوگ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتے جب تک وہ اپنے باہمی اختلافات میں آپ کو فیصل نہ بنائیں، اور پھر جو کچھ آپ فیصلہ کریں اس کے بارے میں وہ اپنے دل میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور سر تسلیم خم نہ کریں۔

لہٰذا جس ذات کے بارے میں قرآن کریم میں یہ ارشادات نازل ہوئے ہوں اور جن کے بارے میں اس بات کی وضاحت آگئی ہو کہ آپ کی ذات سے کسی کو ظلم اور زیادتی پہنچ سکتی ہی نہیں، ان سب باتوں کے باوجود آپ نے مسجد نبوی میں کھڑے ہو کر تمام صحابہ کرامؓ کے سامنے مندرجہ بالا اعلان فرمایا۔

ایک صحابیؓ کا بدلہ کیلئے آنا

روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ کا یہ اعلان سُن کر ایک صحابیؓ کھڑے ہوگئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! میں بدلہ لینا چاہتا ہوں، آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیسا بدلہ؟ انہوں نے عرض کیا کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے میری کمر پر مارا تھا، میں اس کا بدلہ لینا چاہتا ہوں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے تو مارنا یاد نہیں ہے، لیکن اگر تمہیں یاد ہے تو آجاؤ اور بدلہ لے لو، چنانچہ وہ صحابی کمر کے پیچھے آئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! جس وقت آپ ﷺ نے مجھے مارا تھا اس وقت میری کمر پر کپڑا نہیں تھا، بلکہ میری کمر ننگی تھی۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر کمر سے ہٹادی، تو مہر نبوت نظر آنے لگی، وہ صحابی آگے بڑھے اور مہر نبوت کو بوسہ دیا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے مہر نبوت کو بوسہ دینے کے لئے یہ حیلہ اختیار کیا تھا۔ بہر حال! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو پیش کر دیا کہ جو بدلہ لینا چاہے تو

میں اس کو بدلہ دینے کو تیار ہوں۔

سب سے معافی تلافی کرالو

اس عمل کے ذریعے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو سکھا دیا کہ جب میں یہ عمل کر رہا ہوں تو تم بھی اگر اپنی پچھلی زندگی کے داغ دھونا چاہتے ہو تو اپنے ملنے جلنے والوں، اپنے عزیز و اقارب، اپنے دوست احباب سے یہی پیش کش کرو کہ نہ جانے پچھلی زندگی میں مجھ سے آپ کی کیا حق تلفی ہوئی ہو، آج میں اس کا بدلہ دینے کو تیار ہوں، اور اگر آپ معاف کر دیں تو آپ کی مہربانی۔

حضرت تھانویؒ کا معافی مانگنا

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے خاص طور پر ایک رسالہ اس موضوع پر لکھا اور اس رسالے کو شائع کیا اور پھر اپنے تمام ملنے جلنے والوں میں وہ رسالہ تقسیم کیا۔ اس رسالے کا نام ہے "العذر والنذر" اس رسالے میں یہی مضمون لکھا کہ چونکہ میرے بہت سے لوگوں سے تعلقات رہے ہیں، نہ جانے مجھ پر کس کا حق ہو اور وہ حق مجھ سے پامال ہو گیا ہو، یا مجھ سے کوئی زیادتی ہوئی ہو، آج میں اپنے آپ کو پیش کرتا ہوں، اگر مجھ سے اس حق کا بدلہ لینا چاہتا ہے تو بدلہ لے لے، اگر کوئی مالی حق میرے ذمے واجب ہے وہ مجھے مالی حق یاد دلادے، میں بدلہ

دیدوں گا، یا کسی کو جانی تکلیف پہنچائی ہے تو اس کا بدلہ دینے کو تیار ہوں، ورنہ میں معافی کی درخواست پیش کرتا ہوں۔ اور ساتھ میں یہ حدیث بھی لکھدی کہ:

> ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی مسلمان دوسرے مسلمان سے سچے دل سے معافی مانگتا ہے کہ مجھے معاف کر دیجئے، مجھ سے غلطی ہو گئی، تو دوسرے مسلمان بھائی کا یہ فریضہ ہے کہ اس کو معاف کر دے، اگر وہ معاف نہیں کرے گا تو وہ آخرت میں اللہ تبارک و تعالیٰ سے معافی کی امید نہ رکھے۔

روپے پیسے کا معاملہ علیحدہ ہے، اگر دوسرے کے ذمے روپے پیسے واجب ہیں تو اس کو حق ہے کہ اس کو وصول کرلے۔ لیکن دوسرے قسم کے حقوق، مثلاً کسی کی غیبت کرلی تھی، یا دل آزاری کرلی تھی، یا کوئی اور تکلیف پہنچائی تھی، اور تکلیف پہنچانے والا اب معافی مانگ رہا ہے تو دوسرے مسلمان کو چاہئے کہ وہ معاف کر دے۔

حضرت مفتی اعظمؒ کا معافی مانگنا

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ نے وفات سے تین سال پہلے جب پہلی مرتبہ دل کا دورہ پڑا، تو ہسپتال ہی

میں مجھے بلا کر فرمایا کہ تم میری طرف سے، ایسا ہی ایک مضمون لکھدو جیسے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے "العذر والنذر" میں اپنے اہل تعلق کو لکھا تھا، اور اس کا نام یہ رکھنا "کچھ تلافی مافات" اس میں لفظ "کچھ" سے اس طرف اشارہ فرمایا کہ اس کے ذریعہ یہ دعویٰ نہیں ہے کہ میں اپنے پچھلے سارے معاملات کی تلافی کر رہا ہوں، بلکہ یہ "کچھ" تلافی کر رہا ہوں۔ یہ مضمون لکھوانے کے بعد شائع فرمایا، اور اپنے تمام اہل تعلق کو خط کے ذریعے بھیجا تاکہ ان کی طرف سے معافی ہو جائے۔

اپنا کہا سنا معاف کرالو

ہمارے بزرگوں نے ایک جملہ سکھایا ہے جو اکثر و بیشتر لوگوں کی زبان پر ہوتا ہے، یہ بڑا اچھا جملہ ہے، وہ یہ کہ جب کسی سے جدا ہوتے ہیں تو اس سے کہتے ہیں کہ:

"بھائی! ہمارا کہا سنا معاف کر دینا"

یہ بڑا کام کا جملہ ہے اور اس میں بڑی عظیم حکمت کی بات ہے، اگرچہ لوگ اس کو بغیر سوچے سمجھے کہہ لیتے ہیں، لیکن حقیقت میں اس جملے میں اسی طرف اشارہ ہے کہ اس وقت ہم تم سے جدا ہو رہے ہیں، اب دوبارہ معلوم نہیں کہ ملاقات ہو یا نہ ہو، موقع ملے یا نہ ملے، لہٰذا میں نے تمہارے بارے میں کچھ کہا سنا ہو، یا تمہاری کوئی زیادتی کی ہو، تو آج میں تم سے اس کی معافی مانگتا ہوں۔ لہٰذا سفر میں جاتے ہوئے اس کی عادت ڈالنی چاہئے کہ جن سے

میل ملاقات رہتی ہو، ان سے یہ جملہ کہدینا چاہئے، جب وہ سامنے والا جواب میں یہ کہدے کہ میں نے معاف کر دیا تو انشاء اللہ معافی ہو جائے گی۔

جن کا پتہ نہیں ان سے معافی کا طریقہ

معاف کرانے کا یہ طریقہ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے بارے میں بتایا جن تک رسائی ہو سکتی ہے، لیکن بہت سے اہل تعلقات ایسے ہوتے ہیں کہ ان تک رسائی ممکن نہیں، مثلاً ہم لوگ اکثر بسوں میں، ریلوں میں، ہوائی جہازوں میں سفر کرتے ہیں، اور ان سفروں میں نہ جانے کتنے لوگوں کو ہم سے تکلیف پہنچ گئی ہوگی، اب ہمیں نہ ان کا نام معلوم ہے اور نہ ہی ان کا پتہ معلوم ہے، اور اب ان تک پہنچ کر ان سے معافی مانگنے کا کوئی راستہ نہیں ہے، ایسے لوگوں سے معافی مانگنے کا بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طریقہ بتادیا جو انتہائی آسان ہے۔

ان کیلئے یہ دعا کریں

وہ یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لوگوں کے حق میں یہ دعا فرمادی کہ:

اَیُّمَا مُؤْمِنٍ اَوْمُؤْ مِنَةٍ آذَیْتُهٗ اَوْ شَتَمْتُهٗ اَوْ جَلَدْتُهٗ اَوْ لَعَنْتُهٗ فَاجْعَلْهَا لَهٗ صَلَاةً وَزَكٰوةً وَقُرْبَةً تُقَرِّبُهٗ بِهَا اِلَيْكَ۔

یعنی اے اللہ! میری ذات سے کسی مؤمن مرد یا عورت کو کبھی کوئی تکلیف پہنچی ہو، یا میں نے کبھی کسی کو بُرا بھلا کہا ہو، یا میں نے کبھی کسی کو مارا ہو، یا کبھی کسی کو لعنت کی ہو، یا کبھی اس کے حق میں بددعا کی ہو، تو اے اللہ! میرے ان سارے اعمال کو اس شخص کے حق میں رحمت بنا دیجئے اور اس کو اس کے پاک ہونے کا ذریعہ بنا دیجئے اور میرے اس عمل کے نتیجے میں اس کو اپنا قرب عطا فرما دیجئے۔

لہٰذا بزرگوں نے فرمایا کہ جن تک آپ نہیں پہنچ سکتے اور جن سے معافی مانگنے کا کوئی راستہ نہیں ہے، ان کے حق میں یہ دعا کر دیں۔ کیونکہ جب آپ کی پہنچائی ہوئی تکلیف ان کے حق میں رحمت بن جائے گی تو انشاء اللہ وہ خود ہی معاف کر دیں گے۔ اور ان کے حق میں ایصال ثواب کریں۔

زندہ کو ایصال ثواب

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ایصال ثواب صرف مُردوں کو ہو سکتا ہے جو دنیا سے جا چکے، زندوں کو نہیں ہو سکتا، یہ خیال غلط ہے، ایصال ثواب تو زندہ آدمی کو بھی کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا عبادت کر کے، تلاوت کر کے اس کا ثواب ایسے لوگوں کو پہنچا دو جن کو آپ کی ذات سے کبھی کوئی تکلیف پہنچی ہو، اس کے نتیجے میں تم نے اس کے ساتھ جو زیادتی کی ہے انشاء اللہ اس کی

تلافی ہو جائے گی۔

عمومی دعا کر لیں

اس کے علاوہ ایک عمومی دعا یہ کرلو کہ یا اللہ! جس جس شخص کو مجھ سے تکلیف پہنچی ہو، اور جس جس شخص کی مجھ سے حق تلفی ہوئی ہو، اے اللہ! اپنے فضل سے اس پر اپنی رحمتیں نازل فرمایئے اور میرے اس عمل کو اس کے لئے رحمت کا ذریعہ بنا دیجئے اور اس کو مجھ سے راضی کر دیجئے، اور اس کے دل کو میری طرف سے صاف کر دیجئے تاکہ وہ مجھے معاف کر دے۔

ایک غلط خیال کی تردید

حکیم الامّت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک وعظ میں یہ دعا والی حدیث بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا کہ اس سے کسی کو یہ خیال نہ ہو کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے گناہ کرنے والوں کو لعنت کی ہے، جیسا کہ آپ ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا:

لَعَنَ اللّٰهُ الرَّاشِیْ وَالْمُرْتَشِیْ۔

اللہ تعالیٰ رشوت لینے والے اور رشوت دینے والے پر لعنت کرے۔

اب یہ حدیث سُن کر رشوت دینے والا یا لینے والا اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ لعنت میرے حق میں دعا بن جائے گی، اس لئے کہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرما دی ہے کہ اے اللہ! میں نے جس جس کو لعنت کی ہے وہ لعنت اس کو دعا بن کر لگے۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ دعا کی حدیث کے شروع میں یہ الفاظ بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائے کہ:

اِنما أنا بشر أغضب كما يغضب البشر۔

اے اللہ! میں تو ایک انسان ہوں اور جس طرح اور انسانوں کو غصہ آجاتا ہے اسی طرح مجھے بھی غصہ آجاتا ہے، اس غصے کے نتیجے میں اگر کبھی میں نے کسی کو کوئی تکلیف پہنچائی ہو یا لعنت کی ہو یا بُرا بھلا کہا ہو، تو اس کو اس کے حق میں دعا بنا کر لگائیے۔

لہٰذا یہ حدیث اس لعنت کے بارے میں ہے جو آپ ﷺ نے غصہ کی حالت میں بشری تقاضے سے کسی پر لعنت کی ہو، ایسی لعنت اس کے حق میں دعا بن کر لگے۔ لیکن اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص پر گناہ کی وجہ سے لعنت کی ہو، یا دین اور شریعت کے تقاضے سے لعنت کی ہو، تو یہ دعا والی حدیث اس لعنت کے بارے میں نہیں ہے۔

اب یہ حدیث سُن کر رشوت دینے والا یا لینے والا اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ لعنت میرے حق میں دعا بن جائے گی، اس لئے کہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرما دی ہے کہ اے اللہ! میں نے جس جس کو لعنت کی ہے وہ لعنت اس کو دعا بن کر لگے۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ دعا کی حدیث کے شروع میں یہ الفاظ بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائے کہ:

اِنما أنا بشر أغضب كما يغضب البشر۔

اے اللہ! میں تو ایک انسان ہوں اور جس طرح اور انسانوں کو غصہ آجاتا ہے اسی طرح مجھے بھی غصہ آ جاتا ہے، اس غصے کے نتیجے میں اگر کبھی میں نے کسی کو کوئی تکلیف پہنچائی ہو یا لعنت کی ہو یا بُرا بھلا کہا ہو، تو اس کو اس کے حق میں دعا بنا کر لگائیے۔

لہٰذا یہ حدیث اس لعنت کے بارے میں ہے جو آپ ﷺ نے غصہ کی حالت میں بشری تقاضے سے کسی پر لعنت کی ہو، ایسی لعنت اس کے حق میں دعا بن کر لگے۔ لیکن اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص پر گناہ کی وجہ سے لعنت کی ہو، یا دین اور شریعت کے تقاضے سے لعنت کی ہو، تو یہ دعا والی حدیث اس لعنت کے بارے میں نہیں ہے۔